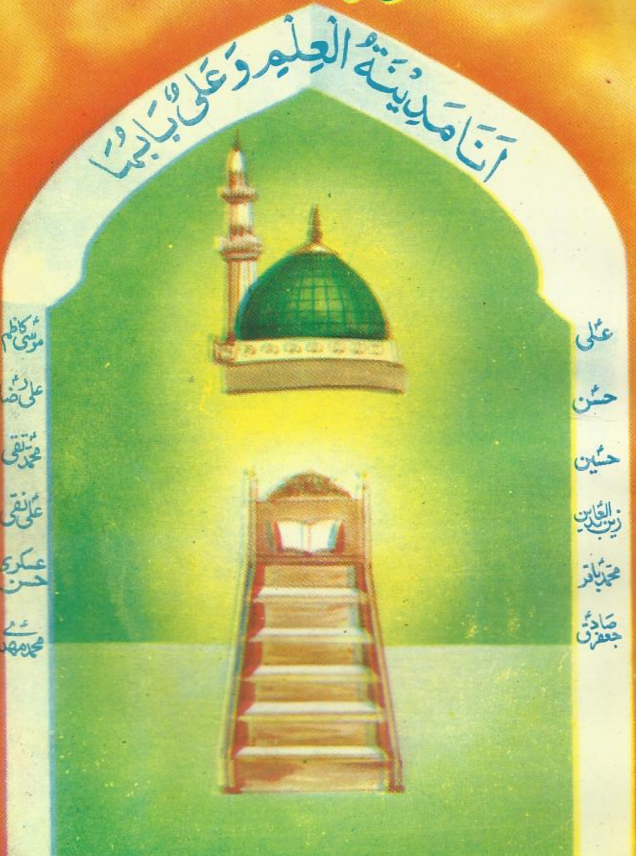
وصی رحمت للعلمین بجواب وصی رسول اللہ

وصیِ رسول اللہ

تاریخ کی روشنی میں



مصنف
عبدالکریم مشتاق

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

یا عباسؑ

۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

وصی رحمۃ للعالمین بجواب وصی رسول اللہ

وصی رسول اللہ

تاریخ کی روشنی میں

سبیل سکینہ

حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-C1

مصنف:-

عبدالکریم مشتاق

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی۔ ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

اطلاع عام

کتاب ہذا شیعی نقطہ نگاہ سے مرتب کی گئی ہے۔ جو افراد اپنے عقائد پر تنقید پسند نہیں کرتے وہ اس کا مطالعہ نہ کریں۔

البتہ ایسے حضرات جو صحتمندانہ مباحثات میں دلچسپی رکھتے ہیں اور افہام و تفہیم میں غیر جانبدارانہ رویّہ کے حامل ہیں وہ تحقیق حق و باطل کی خاطر مندرجہ معروضات پر ضرور غور فرمائیں امید ہے کہ اُن کے طبائع سلیم پر یہ کتاب بار نہ ہو گی اور انشاءاللہ راہِ نجات کا سنگ میل ثابت ہو گی۔

فہرست

ہدیۂ عقیدت

رسالہ ہذا سرکار امیر المومنین خلیفۃ المسلمین وصیِّ رحمۃٌ للعٰلمین یعسوب الدین، امام المتقین اسد اللہ، وجہ اللہ ونفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی بارگاہِ عظیم میں پیش کرتا ہوں ۔ جن کی مشکل کشائی انبیاء ومرسلین اور ملائکہ نے بھی تسلیم کی ۔

مسلم اوّل شہ مرداں علیؑ
عشق را سرمایہ ایماں علیؑ
(اقبالؔ)

گدائے درِ بتولؑ

عبد الکریم مشتاق

مقصدِ تحریر

اِس کتاب کے لکھنے کا مقصد محض دعوتِ تحقیق ہے آج کل گروہِ مخالف کی جانب سے مذہبِ حقّہ شیعہ اثناعشری کے عقاید کیخلاف متواتر زہر آلود لٹریچر شائع ہو رہا ہے اور لوگ تحریر و تقریر کے ذریعے مذہبِ آلِ محمدؐ کے لئے مخالفانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ اندریں حالات سکوت اختیار کر لینا بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق نہ کہنا[۱] چنانچہ ایسے ہی اشخاص میں سے ایک صاحب محمد سلطان نظامی ہیں جنہوں نے ادارہ شرکت ادبیہ پنجاب شاہی محلّہ لاہور کی معرفت ایک رسالہ "وصی رسول اللہ" لکھا ہے۔

رسالہ مذکور میں انہوں نے اپنے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر کو "وصی رسول اللہ" ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور شیعی عقیدہ "وصایتِ علیؑ" کی تردید کرنیکی جسارت کی ہے چونکہ مذہب شیعہ اور دیگر مسلمانوں میں یہی بنیادی اختلاف ہے لہٰذا اپنے عقیدہ کی وکالت کرنا مذہبی فریضہ سمجھا اور محض افہام و تفہیم کی خاطر نظامی صاحب کے رسالہ پر تنقیدی قلم اٹھایا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اندازِ تحریر خوشگوار اور سادہ ہو۔ نیز تنقید صحت مند رہے اور رواداری کے دائرے سے باہر نہ ہو۔ تاہم یہ گذارش ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کہیں مناظرانہ رنگ نظر آئے تو ازراہِ نوازش درگذر فرمائیں اور اپنی قیمتی رائے سے راقم الحروف کو مطلع فرما کر ہدیۂ تشکر کا موقع بخشیں

احقر عبدالکریم مشتاق

---

[۱] سب سے بڑا جہاد کسی جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے (حدیثِ نبویؐ)

پیش لفظ

کتاب ہذا کے عنوانات وہی قائم کئے گئے ہیں جو فریقِ مخالف نے بنائے کوشش کی گئی ہے کہ اُن کے ہر جملے کا جواب تحریر کروں اور استدلال اُن ہی کے مکتبِ فکر سے حاصل کروں۔ تاکہ مدعی خود ہی بطورِ گواہ پیش ہو۔ پہلے حزبِ مخالف کی عبارت نقل کی گئی ہے پھر اس کا نقلی جواب لکھا گیا ہے اور بعد میں اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ عبارت کو نہایت سلیس لکھا ہے اور اکثر مقامات پر اصل عبارت کا ترجمہ ہی نقل کیا گیا ہے تاہم تمام حوالہ جات پوری ذمہ داری سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ اصل محوّلہ کتب ملاحظہ فرمائیں تاکہ تحقیق حق و ابطال باطل ہوسکے اور یہ دعویٰ ثابت ہو جائے کہ مذہبِ شیعہ کے عقائد کا جواز کتب اہلِ سنت میں موجود ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار محال ہے۔ میری دعا ہے پروردگارِ عالم منبعِ ہدایت سرکارِ ولایت وصی رسالت مآبؐ جناب امیر علیہ السلام کے صدقے میں تمام مسلمانوں کو متحد و کامران رکھے اور ان میں تجسس و غیر جانبداری کا پُرخلوص جذبہ پیدا کرے۔ (آمین)

خیر اندیش

فقیر باب مدینۃ العلمؑ

عبدالکریم مشتاق

آغاز

آغازِ کلام کرتا ہوں رب العٰلمین کے اسمِ بابرکت "اللہ" سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اور سب سے پہلے اُسی کے حکم سے درود و سلام پیش کرتا ہوں۔ اُن نفوسِ قدسیہ کی بارگاہوں میں جو غائتِ کائنات ہیں۔ اے اللہ! صلواۃ ہو محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام پر۔ امّا بعدہٗ ارشادِ قدرت ہے کہ:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

پ ۱۱ یونس ۸۲

اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے حق ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ مجرمین ناپسند کریں۔ آئتِ منقولہ ثابت کرتی ہے کہ امرِ حق کو ثابت کرنے کے لیے کسی کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ لہٰذا اسی آیت کی روشنی میں رسالہ "وضعِ رسول اللہ" مولفہ محمد سلطان نظامی کا جواب لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔ تاکہ حق ثابت ہو۔

مصنف مذکور اپنے رسالہ کا آغاز "مخلصانہ گذارش" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ لہٰذا اس عنوان کے تحت انہوں نے کیا تحریر کیا، پیشِ خدمت ہے۔

مخلصانہ گذارش

صاحب رسالہ مذکور سورہ انعام کی آیت ۵۹ سے ابتدائے کلام کرتے ہیں
آیت کا منقولہ ترجمہ یہ ہے ۔ "اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور
نہ کوئی تر چیز یا خشک مگر وہ ایک کھلی کتاب میں موجود ہے۔"

ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں کہ "جس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس
کا ذکر کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔ اور پھر کتاب کے متعلق فرمایا کہ وہ کھول کر بیان
کرنیوالی کتاب "قرآن مبین" ہی ہے۔ چنانچہ فرمایا ۔ "میں اللہ دیکھنے والا ہوں
یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنیوالا ہے ۔ الحجر ع۱"

پس ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں ہر اختلاف کا حل موجود ہے جسے نہایت
واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اس میں بیان فرمایا ہے۔ پھر فرمایا ۔ "اور یہ قرآن اللہ
کے سوا، کسی کا جھوٹ بنایا ہوا نہیں بلکہ وہ کتب سابقہ کا مصداق اور جہانوں کے
رب کی طرف سے کتاب کی تفصیل ہے جس میں شبہ نہیں" سورہ یونس ع۳۸

اس آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ جس
طرح یہ سابقہ واقعات کی تصدیق کرتی ہے ۔ اسی طرح آئندہ واقعات کو بھی تفصیل سے واضح
طور پر بیان کرتی ہے۔ اور اس میں شک و شبہ ایمان کے منافی ہے۔"

اکیلی کتاب کافی نہیں ہے

بیشتر اس کے کہ ہم آگے چلیں ضروری سمجھتا ہوں کہ
منقولہ اقتباس پر کچھ اظہار خیال کروں مؤلف موصوف
نے جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا حل موجود ہے یہ کتب سابقہ
کا مصدق ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی دعویدار ایمان انکار نہیں کرسکتا لیکن اتنا عرض

ضرور کردں گا کہ کتاب بغیر شارع یا معلم کے اکیلی ہادی نہیں ہو سکتی۔ اس بات کی تصدیق خود کتاب ہی کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ "جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسولؐ کو بھیجا تم ہی میں سے جو ہماری آیات تم کو سناتے ہیں اور تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تم کو تعلیم دیتے ہیں کتاب کی حکمت کی اور تم کو ایسی باتوں کا علم سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے" سورۂ بقرہ ۱۵۱

لہٰذا معلوم ہوا کہ علم کتاب کے لئے عالم کتاب سے ہدایت لینا اشد ضروری ہے چنانچہ اس کی تائید میں قرآن میں کئی آیات موجود ہیں ——— اس کے بعد پھر مؤلف موصوف کی عبارت کی طرف متوجہ ہوں لکھتے ہیں "صحابہ کبار نے وصیٔ رسول اللہ کا مسئلہ متفقہ طور پر قرآن و سنّت کی روشنی میں طے کر کے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق کو خلیفۂ رسولؐ منتخب کر لیا۔ اور اقوام عالم پر یہ ثابت کر دیا کہ بعد از پیغمبر آخر الزماںؐ ان کا ہادی و رہنما صرف قرآن و سنّت ہیں۔ جنکی روشنی میں وہ اپنے ہر اختلاف کو بغیر کسی قسم کے انتشار و خانہ جنگی کے نہایت احسن طریق پر حل کر سکتے ہیں۔ پھر ہماری ہدایت کے لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔"

اس عبارت پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی لیکن یہاں صرف چند سوالات فاضل مصنّف سے کرتا ہوں:۔

۱:۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ "وصیٔ رسول اللہؐ کا مسئلہ صحابہ کبار نے طے کیا؟

۲:۔ حضرت ابو بکر کو صحابہ نے خلیفہ رسول اللہؐ منتخب کیا۔ کیا یہ درست ہے؟

۳:۔ کیا یہ بھی ٹھیک ہے کہ اس انتخاب کے موقعہ پر کوئی انتشار یا خانہ جنگی نہ ہوئی؟

۴:۔ جیسا کہ آپ نے خود ہی تسلیم کیا کہ قرآن مصدِّق کتبِ سابقہ ہے۔ لہٰذا ازراہ مہربانی

جواب دیں کہ کسی بھی گذشتہ نبی یا رسول کا نائب صحابہ کبار نے منتخب کیا؟ اگر کیا تو ثبوت دیجیے۔

۵: کسی بھی مرسل کا وصی کوئی صحابی ہوا ہے؟ اگر ہے تو آیت بتلائیں۔

جس وقت آپ ان سوالات کا جواب تلاش کریں گے۔ تو پھر قرآن پر غور کیجیے تاکہ دل کا قفل کھل جائے۔ ویسے ان سوالوں کے جوابات آپ کی عبارت میں ہی موجود ہیں کہ حضرت ابوبکر کو صحابہ نے متفقہ طور پر خلیفہ چنا حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ گذشتہ انبیاء کے صحابہ نے وصیٔ رسول کا چناؤ خود کیا ہو۔ ایک دم سنّتِ الٰہی میں تبدیلی کا کیا جواز ہے؟ اب آپ ان سوالات پر غور فرمائیں ہم آپ کی آئندہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

" آئیں ذرا غور کریں قرآن مبین میں اور تحقیق کریں کہ "وصیٔ رسول اللہ" کا مسئلہ جسے مسلمانوں نے خواہ مخواہ دائمی اختلاف بنا رکھا ہے۔ اسے صحابہ کبار جو قرآن میں غور و فکر کرتے تھے اور جن کے قلوب میں تقویٰ اور خوفِ خدا تھا۔ انہوں نے کس طرح اسے حل کر کے مرکزِ اسلام کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا اور اپنے اجتماع سے دشمنانِ اسلام کے فتنہ و بدترین سازش کو نیست و نابود کر دیا۔

احقر العباد

محمد سلطان نظامی عفی عنہ"

اب ہم صاحب رسالہ مذکور کی اپیل کے مطابق قرآن مبین میں غور کریں اور تحقیق کریں کہ مسئلہ "وصیٔ رسول اللہ" کا صحیح حل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

عنوان بالا کے تحت مصنف مذکور نے سورہ انعام کی ۱۱۵ اور ۱۱۶ آیت مع ترجمہ نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں "مسلمان صدیوں سے اس اختلاف میں مبتلا ہیں کہ وصئ رسول آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ یہ اختلاف آنحضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ بزرگان عشرہ مبشرہ بھی تھے جنہوں نے قرآن پاک کے احکامات اور سنت نبوی کی پیروی میں نہایت احسن طریق پر اس اہم مسئلہ کو حل کر کے اسلام کو خانہ جنگی اور تباہی سے محفوظ کر لیا اور متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ اس کے بعد اسلام کی ترقی شروع ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دنیا کے شرق و غرب میں پھیلنا شروع ہوا تو مسلمین کی تعداد بھی بڑھنی شروع ہوئی۔ دشمنان اسلام نے وحدت اسلامی کو تباہ و برباد کرنے کیلئے دور نبوت۔ دور شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے دور خلافت) میں کیا کچھ نہ کیا مگر ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی سازشیں اس لئے پروان نہ چڑھ سکیں کہ قرآن حکیم کو حکم ماننے والے۔ اس میں غور و خوض کرنیوالے اور تحقیق کرنیوالے جلیل القدر صحابہ کبار موجود تھے۔[1]

مگر حضرت عثمان ذوالنورین کے دور خلافت کے آخری ایام میں ایک یہودی راہب عبداللہ بن سبا جو محض اس لئے مسلمان ہوا تھا کہ وہ وحدت اسلامی کو

۱؎ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر اختلاف بیعت ابوبکر کے وقت وجود میں آیا اس کی مثال آج بھی نہیں مل پاتی۔

تار تار کر دے چنانچہ اس نے "وصیِّ رسول اللہ" کا مسئلہ کچھ اس رنگ میں پیش کیا کہ نو مسلمین اس کی گہری سازش کا شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے صحابہ کبار کو سبّ و شتم کرنا شروع کر دیا۔ اِن کج فہموں نے اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ایک منظم گروہ اور سازش کی شکل میں مدینۃ الرسولؐ میں وارد ہوئے۔ اس کی پُر امن فضا کو اپنے گندے پراپیگنڈہ سے مکدّر ہی نہ کیا خود خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کو اس بیدردی سے ذبح کیا کہ جسے بیان کرنے سے خود قلم لرزتا ہے۔ بعد ازیں حضرت علیؑ جیسے نیک سیرت بزرگ جو خلیفہ چہارم منتخب ہوئے انہیں دیارِ یار اور سایہ رسولِ اکرمؐ اور قربِ صحابہ کو چھوڑنے پر مجبور کیا اور اپنے ساتھ کوفہ لے گئے۔ پھر صحابہ رسولؐ کو نیست و نابود کرنے کے لئے اور اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اِن بزرگانِ دین میں قصاص عثمان کے نام پر خانہ جنگی بپا کر دی۔ ہزارہا بے گناہ مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں تہ تیغ کروائے۔ وحدتِ اسلامی کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور جب اس خونی ہولی سے بھی ان کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تو خود اس بزرگ صحابی کو جو خلیفہ منتخب ہوئے جس کی پیروی اور بیعت کا وعدہ کیا تھا اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

منقولہ بالا عبارت کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک طرف تو مصنّف صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں مسلمان صدیوں سے مسئلہ وصایت میں مختلف نظریات کے حامل ہیں اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کو متفقہ طور پر حل کیا گیا۔ دونوں میں کس بات کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ اس کا جواب مؤلف منقود ہی دے سکتے ہیں۔ ہم اپنی رائے کا اظہار آئندہ صفحات میں بالوضاحت کریں گے۔ فی الحال یہی عرض کریں گے کہ جناب رسولؐ نے یہ مسئلہ خود بخود بحکم خدا حل

کر دیا تھا۔ جہاں تک عبداللہ بن سبا کے واقعہ کا تعلق ہے تو تحقیقِ جدید سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ کردار من گھڑت اور فرضی ہے۔ اس پر ہم نے ایک کتابچہ "تصدیق لفظ شیعہ" میں روشنی ڈالی ہے۔ ناظرین مطالعہ فرمائیں۔ دورِ شیخین اور ایامِ حکومت سوم کی پُرآشوبی اور حضرت علیؑ کے زمانے کے واقعات چونکہ خارج از موضوع ہیں۔ لہٰذا اُن کو زیرِ بحث لانا تضیعِ اوقات ہو گا۔ البتہ مطالعہ تاریخ سے یہ بات از خود اجاگر ہوتی ہے کہ ان واقعات کا پس منظر اور وجوہات کیا تھیں۔ اور اس کی ذمہ داری کن حضرات و خواتین پر عائد ہوتی ہے۔

قرآن میں اختلاف نہیں

اس عنوان کے تحت مصنف نے سورۃ النساء کی آیت ۸۲ و ۸۳ نقل کی ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اختلاف نہیں اور بعد میں سورہ انعام کی ۵۸ آیت نقل کر کے لکھتے ہیں "خالقِ کائنات مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں نسلِ انسانی اور خصوصاً مسلمانوں کو اس حقیقت سے روشناس کرانا ہے کہ کائناتِ ارضی و سماوی سب اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ کوئی چیز اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ نبی و وصی کا تعین بھی سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ دینِ حق کو شرق و غرب میں پہنچانا بھی اسی کے اختیار و قدرت میں ہے۔"

مصنف کے منقولہ بیان پر ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ ہم شیعہ بچارے بھی تو یہ کہتے ہیں کہ نبی اور اس کا وصی منجانب اللہ ہوتا ہے۔ تو پھر ہم نشانۂ اعتراض کیوں بنتے ہیں؟ جبکہ بحیثیت معترض آپ نے

بھی ہمارا موقف تسلیم کر لیا کہ "وصی رسول" کا انتخاب خود رب العزت کرتا ہے۔ اب آپ انصاف کیجئے۔ جب خدا خود وصی کا چناؤ کرتا ہے تو پھر خلیفہ منتخب کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

کیا نبیؐ کا انتخاب خود اُمت کرتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر نبی کے وارث کا انتخاب کس استدلال کی بنا پر جائز قرار پائے گا؟ جیسا کہ آپ نے مان لیا کہ وصئ پیغمبر فرستادۂ ربّ العزّت ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا یہ تحریر کرنا کہ "صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر کو خلیفہ منتخب کر لیا"۔ از خود محتاجِ دلیل ہے۔ کیونکہ صحابہ کے پاس حقِ انتخاب ہی نہیں ہے۔ اور یہ حقِ خدا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی منتخب شخص جسے لوگوں نے بلا نص قطعی چُنا ہو منجانب اللہ نہیں ہو گا۔

ہر فیصلہ کتاب اللہ میں موجود ہے

اس عنوان کے تحت سورہ انعام کی ۵۹ آیت نقل کی گئی ہے اور اس بات کو بار دیگر دہرایا گیا ہے کہ بعثت پیغمبر اور وصئ رسولؐ کا تعین خود ربّ العزّت کرتا ہے۔ نیز کتاب اللہ سے بہتر کوئی حکم نہیں اور اس میں سب اختلافات کا حل موجود ہے۔

وصئ رسول آخر الزّماں صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تعیّن خود خالق کائنات نے فرمایا

دروغ گو را حافظہ نہ باشد

ایک طرف تو مؤلف رسالہ مذکور کا یہ موقف ہے کہ حضرت ابو بکر کو

صحابۂ کرام نے متفقہ طور پر خلیفہ چنا تو دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ وصیٔ رسولؐ کا تعین خود خالقِ کائنات نے فرمایا۔

چنانچہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت رقم طراز ہیں کہ "اسی اختلاف کو صحابۂ کبار نے قرآنِ حکیم کو حکم مانتے ہوئے حل کر لیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق کو رسولِ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلّم کا حقیقی وصی بھی مان لیا تھا۔" اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت ۶۹ نقل کرتے ہیں۔

"اور جو شخص اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ لوگ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ یعنی نبیوں و صدیقوں و شہیدوں اور صالح لوگوں (کے ساتھ) اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔" سورۃ النساء کی یہ آیت سورۂ فاتحہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تشریح و تفسیر بھی ہیں۔ "ہمیں سیدھی راہ دکھلا اُن کی جن پر تو نے فضل کیا۔" اس آیت میں ان بزرگانِ دین جن پر خدا کا فضل ہوا کی تشریح فرمائی کہ وہ کون ہیں فرمایا وہ ہیں نبی۔ صدیق شہید اور صالح اور فرمایا کہ یہ اچھے ساتھی ہیں۔ مندرجہ بالا بزرگانِ دین کے دور ہی کو تو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے۔ اور حیران کن اور حقیقت پر مبنی تو یہ دورِ خلافت ہے جو عین قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت و پیشگوئی و ترتیب کے مطابق وقوع میں آیا۔

قرآن حکیم کی ترتیب پھر غور سے پڑھیں اور خدارا ہر قسم کے تعصّب کو چھوڑ کر صرف بنظرِ تحقیق قرآن پاک کے الفاظ اور ترتیب میں غور فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے اس دورِ مبارک کا تعین خود فرمایا اور وصیٔ رسول آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلّم

کا انتخاب بھی خود ہی فرمایا چنانچہ فرمایا۔

والنبین والصدیقین، والشہداء والصالحین

اب ذرا اس دورِ راشدہ کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو من وعن اس آیتِ مبارکہ کے عین مطابق ظہور پذیر ہوا اور جسے دنیا کی کوئی طاقت مذہب اور جماعت جھٹلا نہیں سکتے۔

۱۔ حضرت سیدنا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
۲۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (طبعی وفات پائی)
۳۔ حضرت سیدنا عمر الفاروق (شہید ہوئے)
۴۔ حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین (شہید ہوئے)
۵۔ حضرت سیدنا علی اسد اللہ (شہید ہوئے)
۶۔ حضرت سیدنا حسن صالح (شیعانِ علی اور شیعانِ معاویہ کے درمیان خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہوئے) مصنف نے جو آیت نقل کی اور اس کی تشریح میں جو لکھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے لئے خلفاء کا صدیقین شہداء اور صالحین ہونا ضروری ہے اور اسی ترتیب کے تحت مؤلف نے نقل کردہ فہرست خلفائے راشدین کی تطبیق کی ہے مصنف نے جہاں ہمیں دعوتِ تحقیق دی ہے وہاں اپنی پیش کردہ فہرست پر یہ چیلنج بھی دیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت و مذہب اور جماعت ان کی فہرست کو نہیں جھٹلا سکتے۔ چنانچہ ہم نے بار بار غور کیا اور آخر کار تحقیقات نے ہمیں مجبور کر دیا کہ مسٹر نظامی کا چیلنج قبول کر لیں۔

لہٰذا اب ہم دیکھتے ہیں کہ صاحبِ کتاب "وصی رسول اللہ" کی پیش کردہ فہرست قرآن، حدیث اور تاریخ میں کیا مقام رکھتی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے اس بات کو تسلیم

کیا ہے کہ "وصی رسول اللہ "صدیق" ہی ہو سکتا ہے لہٰذا اب ہم میدانِ تحقیق میں آتے ہیں تاکہ شناختِ "صدیق اکبر" ہو سکے۔

مسٹر نظامی نے قرآن پاک کی آیت "جو آیا صدق کے ساتھ اور جس نے تصدیق کی وہی صاحب تقویٰ ہے" نقل کی ہے اور تفسیر مدارک اور مجمع البیان میں زجاج سے روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "صدق کے ساتھ آنے والے سے مراد رسول اللہ صلعم اور ان کی تصدیق کرنیوالے سے مراد ابوبکر ہیں"۔

چونکہ مولف نے روایت کتب اہلسنت سے نقل کی ہے لہٰذا دیگر مسلمانوں کے لئے حجت قرار نہیں پا سکتی۔ لہٰذا ہم اس روایت پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے اور فریقِ مخالف ہی کے مسلمات سے اس دعوے کی تردید کریں گے۔

صدّیق کون ہے؟

آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ صدیق کون ہے۔ اور پروردگارِ عالم کے مقدس رسول نے صدیقیت کی سند کس کو عطا فرمائی ؟

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسی ہستی کو صدیق تسلیم کرے جسے رسول اللہؐ نے یہ خطاب عطا فرمایا ہو۔ کیونکہ حکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو صدیق تسلیم کر لینے سے اطاعتِ رسولؐ کی خلاف ورزی ہو گی۔ عہدہ صدیقیت عطا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی خدا ایسا بند ہے کہ جسے لوگ صدیق کہنے لگ جائیں اُسے خدا واقعی صدیق بنا دے۔

سرکارِ رسالتؐ کا فیصلہ

جناب سلمان فارسیؓ (ممتاز صحابی رسولؐ) نے بیان کیا کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا کہ یہ (علیؑ) وہ ہے جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا۔ اور قیامت کے دن سب

سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ اور یہ "صدیق اکبرؑ" ہے اور یہی "فاروق اعظم" ہے۔ حق و باطل کے فرق کو واضح کر دے گا۔ اور یہ مومنوں کا یعسوب ہے اور منافقوں کا یعسوب مال ہے"۔ روایت اہل سنت: منتخب کنزالعمال۔ حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص۳۲ آخری سطر (اخرجہ الدیلمی والطبرانی بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ ص۲۳)

دعوائے صدیق بزبانِ صدیق اکبرؑ

روائیت بالا کو اس روائت سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔

عباد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا "میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسولِ خداؐ کا بھائی ہوں اور میں ہوں صدیق اکبر۔ میرے بعد کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا سوائے جھوٹے کے۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی"۔ (روائت اہل سنت:۔ کنزالعمال جلد ۶ ص۱۵۴ حدیث ۲۵۵۶ المناقب احمد والخصائص نسائیؒ، المستدرک (حاکم) سنن حافظ ابوزید عثمان بن ابوشیبہ سنن ابن عاصم۔ الحلیہ ابونعیم، العقیلی بحوالہ ارجح المطالب باب اوّل ص۲۳) علامہ جلال الدین سیوطی جلیل القدر عالم اہلسنت نے الالیٰ میں اس روائت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔)

معاذة العدویہ نے کہا میں نے حضرت علیؑ کو منبر بصرہ پر یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں "صدیق اکبرؑ" ہوں۔ قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لاتے میں ایمان لایا ہوں۔ اور ابوبکر کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لایا ہوں"۔

(روائت اہلسنت:۔ المعارف: ابن قتیبہ، الریاض النضرۃ فی فضائل العشرہ، المحب الطبری، بحوالہ ارجح المطالب باب اوّل ص۲۲)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنا

تعارف بحیثیت "صدیق اکبر" علانیہ کرایا۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر نے اپنی زبان سے کبھی بھی صدیق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ واضح رہے کہ یہ روایات کتب اہلسنت سے نقل کی گئی ہیں۔ اور علماء نے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے۔ اب فیصلہ ناظرین کرام کر لیں کہ صدیق کون ہے؟

تصدیقِ رسالت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسولِ خدا صلعم سے سنا ہے کہ علیؑ کو فرما رہے تھے کہ "تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی۔ اور تو صدیقِ اکبر ہے۔" (روایت اہلسنت:۔ اخرجہ الحاکم، فقلت من الریاض، النضرۃ بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ صا۱۱)

واضح ہو کہ اس حدیث میں سرکارِ ختمی مرتبت نے صدیق اکبر کے خطاب کی کسوٹی تصدیقِ رسالت کو قرار دیا ہے۔ اب مسٹر نظامی کی منقولہ آیت دوبارہ تحریر کرتا ہوں۔ "جو آیا صدق کے ساتھ اور جس نے تصدیق کی وہی ہیں صاحب تقویٰ" تو سب سے پہلے تو بقول رسولؐ حضرت علیؑ نے ہی تصدیقِ رسالت کی اسی لئے تو وہ صدیقِ اکبر ہونے کے ساتھ ساتھ "امام المتقین" کا اعزاز بھی پا گئے۔ کیونکہ آیت کا اختتام "ھم المتقون" پر ہے۔ اور "امام المتقین" ہونے کا شرف صرف جناب امیرؑ ہی کو بارگاہ رسالت سے نصیب ہوا۔ اگر کسی اور صاحب نے تصدیقِ رسالت میں سبقت حاصل کی ہوتی تو یقیناً لقب "امام المتقین" سے بھی نوازا جاتا۔ فافہم۔

تصدیقِ ملائکہ اور صدیقِ اکبرؑ

جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ کریمؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہم چار شخصوں کے سوا پانچواں شخص سوار نہ ہوگا۔

ایک انصاری صحابی نے اُٹھ کر عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ چار شخص کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا ایک تو میں ہوں کہ براق پر سوار ہوں گا اور میرا بھائی صالحؑ نبی ناقۃ اللہ پر سوار ہو گا جس کے پاؤں کاٹے گئے تھے۔ اور میرا چچا حمزہؓ ناقۂ عصبا پر سوار ہو گا۔ اور میرا بھائی علیؑ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک پر سوار ہو گا۔ اور اس کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا۔ اور وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسولؐ اللہ پکارتا ہو گا۔ تمام آدمی کہیں گے یہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل یا حامل عرش ہے۔ عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا کہ "اے لوگو! یہ نہ کوئی مقرب فرشتہ ہے اور نہ ہی نبی مرسل یا حاملِ عرش ہے۔ **یہ صدیق اکبر علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے**"۔

(روائت اہلسنت:۔ اخرجہ ابو جعفر العقیلی بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ ص ۲۳)

صدیق تین ہی ہیں

حضرت ابن عباسؓ، ابو یعلی سے روائت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ **"صدیق تین ہیں"**۔ اوّل حبیب النجار مومن آلِ یٰسین جس نے کہا تھا کہ اے قوم مرسلین کی اتباع کرو اور دوسرے آلِ فرعون میں سے مومن حزقیل جس نے یہ کہا تھا کہ اے لوگو! تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پالنے والا اللہ ہے اور **تیسرے علیؑ ابن ابی طالب اور وہ ان دونوں سے افضل ہیں**"۔

(روائت اہل سنت:۔ بخاری۔ احمد۔ بحوالہ ارجح المطالب باب اوّل ص ۲۲)

قابلِ غور امر ہے کہ اس حدیث میں کسی چوتھے فرد کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ کوئی اور ہستی صدیق ہونے کا دعویٰ کرے گی تو وہ بلا سندِ رسولؐ ہو گا۔

شہادت حضرت عمر

حضرت عمر بن خطاب سے روائت ہے کہ تحقیق جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جناب علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم سب مومنوں سے پہلے میرے ساتھ ایمان لانے والے ہو۔ اور تم ان سب سے خدا کی آئیتوں کا زیادہ علم رکھنے والے ہو۔ اور تم ان سب سے خدا کے عہد کو پورا کرنے والے ہو۔ اور ان سب سے رعیّت کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والے ہو اور ان سب سے اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والے ہو۔

روائت اہلسنت: ساخرجہ احمد بن حنبل۔ فی المناقب بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ صا۱۱)

اس روائت کی روشنی میں راقم الحروف یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہے کہ "ان سب" کے ذیل میں خود راوی حدیث بھی شامل ہیں لہٰذا اُن کے نزدیک بھی حضرت امیرؑ بڑے مرتبے والے ہیں۔ اس لئے "ہم مرتبہ ہیں چاریاران نبی" کہنا حضرت عمرؓ کی مخالفت کرنا ہے۔

دعوتِ غور

روایاتِ بالا کی روشنی میں اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے "صدیقِ اکبر" ہونے کا دعویٰ فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ صاحبانِ عقلِ سلیم خفیف سا غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے حضرت ابوبکر کے صدیق اکبر نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابوبکر ان کے بعد مسلمان ہوئے۔ یعنی علیؑ نے رسالت کی تصدیق پہلے کی۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ مقام "صدیق اکبر" پر وہی ہستی فائز ہو سکتی ہے جو مسلمِ اوّل ہو۔ جناب امیرؑ کا اپنے متعلق "صدیق اکبر" ہونے کا دعویٰ بلاشک وشبہ قابلِ قبول ہے۔ اور جناب سرورِ کائناتؐ کے ارشادِ مقدسہ کے بعد کلمہ گو کے لئے قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ وہ حضرت علیؑ کو صدیق اکبر

ماننے کی بجائے کسی دوسرے کو اس خطاب کا مصداق تسلیم کرے۔

قرآن مجید اور صدیق اکبر

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ اور وہ نبی، شہید، صدیق اور صالح ہیں اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔" (سورۃ النساء)

اس آیہ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ جناب علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم جنت میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گے جس طرح کہ دنیا میں ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نبیؐ کا ایک رفیق ہوتا ہے جو اس کی امت میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ پس آیت شریف نازل ہوئی کہ وہ لوگ اُن کے ساتھ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ پس رسولؐ خدا نے حضرت امیرؑ کو فرمایا اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے یا علیؑ تیرے سوال کا جواب نازل کیا ہے۔ اور **تجھے میرا رفیق بنایا ہے کیونکہ تو سب سے پہلے ایمان لایا اور تو صدیق اکبرؑ ہے۔**

(روایت اہلسنت بحوالہ ارجح المطالب باب ۲ صفحہ ۳)

۲:۔ سورہ زمر میں ارشاد رب العزت ہے کہ "اور وہ شخص کہ آیا سچ کے ساتھ اور جس نے کہ تصدیق کی اس کی وہی لوگ رستگار ہیں۔"

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ "وہ شخص کہ آیا سچ کے ساتھ" وہ جناب رسول خدا ہیں اور جس نے کہ تصدیق کی اس کی" وہ علی علیہ السلام ہیں۔

یہی تفسیر اس آیہ مبارکہ کی ابن عساکر نے لکھی ہے اور حافظ ابو نعیم نے الحلیہ میں اور ابن مغازلی نے مناقب میں لکھا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی

نے تفسیر درالمنثور میں یہی روائت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔ (واضح ہو کہ یہ وہی آئت ہے جس کا حوالہ مؤلف "وصی رسول اللہ" نے صـ۱۷ پر دیا ہے۔

۳ :۔ والذین اٰمنوا باللّٰہ و رسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم لھم اجرھم و نورھم (قرآن مجید سورۃ الحدید)

اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ثعلبی نے اپنی تفسیر میں فقیہ ابن مغازلی نے مناقب میں۔ اس آئت کا شان نزول بروائت حضرت عبداللہ بن عباس یوں تحریر کیا کہ **یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔**

مندرجہ بالا بیان میں یہ بات بڑی آسانی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ اصل "صدیق اکبر" سرکارِ ولائت جناب امیر علیہ السّلام ہی ہیں۔ جسے نہ صرف شیعہ بلکہ مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اب ہم توقف کرتے ہیں اور ناظرین کو رسالہ منقود کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ چنانچہ "وصی رسول" آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین خود خالق کائنات نے فرمایا" کے عنوان کے بعد مصنّف نے سورۃ النساء کی چند آیات بابت وراثت نقل کی ہیں۔ اور اس کے بعد خلافتِ روحانی یا خلافتِ راشدہ کا باب قائم کیا ہے۔

خلافت روحانی یا خلافتِ راشدہ

چنانچہ اس باب میں بھی مؤلف نے سورۃ النساء کی ۶۹ ویں آئت کو سرعنوان بنایا ہے اور لکھتے ہیں۔ "اس آئت مبارکہ میں روحانی وراثت اور خلافت کی وضاحت جس تفصیل سے فرمائی ہے وہ مزید کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ اور الفاظ کی ترتیب خود اس حقیقت کی شاہد ہے کہ کائنات کا حقیقی وارث

تو اللہ تعالیٰ خود ہے۔ اور زمین پر اس کے وارث خلیفے۔ انبیاء اور وصی انبیاء ع ہوتے ہیں۔ اور انبیاء کے خلیفے اور وصی صدیقین اور صدیقین کے وارث شہداء اور شہداء کے وارث صالحین ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت کی بھی وضاحت فرمائی کہ مسلمانوں کے یہ اچھے ساتھی ہیں"۔ چنانچہ اس کے بعد مؤلف رسالہ نے چند روایات از کتب اہلسنت نقل کیں جن میں حضرت ابوبکر کو "صدیق" کہا گیا ہے اور انہوں نے خود کو خلیفۂ رسول کہا ہے۔ چونکہ وہ روایات کتب اہلسنت سے منقول ہیں لہٰذا اصولی طور پر ہم ان پر بحث نہیں کریں گے کیونکہ وہ ہمارے لئے حجت قرار نہیں پا سکتی ہیں۔ حالانکہ ہم نے گذشتہ بیان میں معتبر کتب اہل سنّت سے ہی ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہی "صدیق اکبر" ہیں۔ نیز قرآن مجید سے بھی ہمارا موقف پوری طرح ثابت ہے اور فریق مخالف ہماری پیش کردہ روایات کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات تسلیم کر لی جاتی ہے کہ نبی کا خلیفہ "صدیق" ہی ہو سکتا ہے تو پھر سوائے تعصب اور تنگ نظری کے اور کوئی وجہ نہیں باقی رہ سکتی کہ حقیقی "صدیق اکبر" کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اس عہدہ کا حامل قرار دیا جائے۔ شیعہ تو رہے ایک طرف خود اہلسنت نے حضرت علیؑ کا "صدیق اکبر" ہونا تسلیم کیا ہے۔

مسٹر نظامی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکر نے خود کو خلیفۂ رسول کا لقب سونپا۔ جیسا کہ وہ باب مذکور کے صہ ۲۷ پر "سیرۃ الصدیق" مؤلفہ محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بعد از بیعت "خلیفۃ الرسول اللہ" لقب ہوا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو کہا۔ "میں رسول اللہ کا خلیفہ۔ اسی سے میں خوش ہوں"۔"

تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ لقب از خود اپنایا گیا ہے۔ نہ کہ رسول اللہؐ یا خدا کی طرف سے حاصل ہوا۔ منصب اقتدار پر آدمی بڑے بڑے القاب حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کوئی خوبی یا اعزاز نہیں ہے۔

اور جب یہ بات دونوں فریقوں میں طے پا گئی کہ نبی کا خلیفہ "صدیق" ہے اور عہدہ صدیقیت منجانب خدا اور رسولؐ ہے تو پھر سند یافتہ "صدیق" ہی وارثِ نبی قرار پائے گا نہ کہ خودساختہ۔

وصیِ رسول اللہؐ کی قرآن میں مزید وضاحت

اس باب میں مؤلف نے واقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپؐ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لے کر نکلے۔ کفار آپ کے تعاقب میں تھے اس لئے راستے میں تین دن تک غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ انہی ایام میں کافر ایک روز ڈھونڈتے غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ کافر آ رہے ہیں۔" مگر آپ نے فرمایا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں۔ مصنف کی منقولہ عبارت پر کچھ جرح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اس وقت ایک انتہائی نازک مرحلہ پر ہوں مگر حق بات کو چھپانا حق تلفی ہے۔ لہٰذا انتہائی معذرت کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ میری بات کو تحقیق کی حد تک سمجھئے اور اسے ناگواری کی نذر نہ کیجئے عقیدت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور واقعات کا پس منظر پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا ایمان سے فیصلہ کیجئے کہ نقل کردہ عبارت کا نتیجہ کیا ہوا۔ خط کشیدہ فقرات کو بارِ دیگر پڑھنے کی تکلیف فرمائیے۔ اور میری گذارشات

پر غور کیجیے۔

دل بقول مصنّف صاحب۔ "کافر ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے پر پہنچ گئے"۔ اور حضرت ابوبکر نے عرض کیا "یا رسول اللہ کافر آرہے ہیں"۔

یہ فقرات کچھ قابل بحث ہیں۔ اور تھوڑا سا غور کرنے کے بعد انسان مندرجہ ذیل شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱:- کیا ایسے موقعہ پر جبکہ دو ساتھی چھپے ہوں اور تلاش کرنے والے جائے وقوع پر موجود ہوں (جیسا کہ کفار غار کے دہانے پر تھے) دونوں میں سے کسی ایک کا بولنا مستحسن ہوگا؟"

میرے خیال میں بالکل نہیں۔ کیونکہ غار میں سے آواز کے باہر جانے کا قوی امکان ہے۔ اور اس صورت میں گرفتار ہو جانے کا خدشہ ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر حضرت ابوبکر کا بولنا قطعاً نامناسب۔ بے محل اور پُر خطر تھا۔ جو کسی صورت میں بھی ثابت قدمی کا ثبوت قرار نہیں پا سکتا ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کو فضیلت کے باب میں تحریر کرنا عقلِ سلیم رکھتے ہوئے کیسے جائز سمجھا جائے؟ ایسے حالات میں مکمل سکوت کی ضرورت تھی۔ اور حضرت ابوبکر نزاکتِ موقع کو نہ سمجھ سکے۔ یہ تو خدا کا کرنا تھا کہ وہ بحفاظت رہے ورنہ اس ذراسی کوتاہی سے سارا کھیل بگڑ جانے کا احتمال تھا۔

۲:- مصنّف نے دوسرے جملے میں لکھا کہ آپؐ نے فرمایا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔" یہ مکالمہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابوبکر خوفزدہ تھے اور اسی گھبراہٹ میں وہ بولے۔ لیکن سرکارِ رسالتؐ کو مکمل خود اعتمادی حاصل تھی۔ لہٰذا انہوں نے حضرت صاحب کو تشفی دی۔ اگر بزدلی اور ڈرپوک پن کو فہرست فضائل میں جگہ مل سکتی ہے تو بڑے شوق

سے اس واقعہ کو زمرۂ فضائل میں شمار کیجئے ورنہ۔۔۔۔ بس انصاف سے کام لیجئے۔
اب ایک سوال اور ہو سکتا ہے کہ اگر اس وقت بولنا بے محل تھا تو خود حضورؐ نے حضرت ابوبکر کی ڈھارس کیوں بندھائی؟ تو عرض یہ ہے کہ حضورؐ کی حفاظت خدا کے ذمہ تھی۔ لہٰذا جو خدا مختصر سی مدّت میں غار کے منہ پر مکڑی کے جالے کا اہتمام کر سکتا ہے اور جانور کو مقیم کرا کے انڈے بھی دلوا سکتا ہے۔ وہ چند لمحوں کے لئے دشمنوں کی قوتِ سماعت بھی موقوف کر سکتا ہے۔ دوم یہ کہ اگر حضورؐ اپنے ساتھی کو تسلّی نہ دیتے تو امکان تھا کہ وہ مزید خوفزدہ ہو جاتے اور اس کے نتائج سنگین صورتِ حال میں برآمد ہوتے۔
اس واقعہ کے بعد مؤلف نے سورۂ توبہ کی آئت ۴۰ نقل کی اور ترجمہ یوں لکھا "اگر تم اس کی مدد نہ کرو۔ تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی جب اس کو اُن لوگوں نے جو کافر تھے نکال دیا (اس حال میں کہ) وہ دو میں کا دوسرا تھا (یعنی وہ اور اس کا ثانی) جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اس نے اپنے رفیق کو کہا "غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"
مزید لکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں چار الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ایک تو حضرت ابوبکر صدیق کو رسولِ خدا کے "ثانی" یعنی "وصی" کے لقب سے خطاب کرنا دوسرے جگہ یعنی "غار" (غارِ ثور) کا تعین۔ تیسرے فرمایا "الصاحبہ" تیرا رفیق جو تیرے ساتھ غار میں موجود ہے۔ اور چوتھے فرمایا "معنا" میں تم دونوں کے ساتھ۔
ہم ان چار الفاظ پر تو بہرحال ضرور غور کریں گے۔ لیکن پہلے ہم منقولہ آئت پہ بچار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آئت مبارکہ کی ترکیب دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اندازِ گفتار کچھ ایسے طور پر ہے کہ قدرت

نے مسلمانوں کو جھنجوڑا ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ "اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی۔" یہ جملہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ کی مدد نہ کی۔ بلکہ یقیناً خود قدرت نے آپ کی حفاظت کی۔ اگر لوگوں نے حضورؐ کی مدد کی ہوتی تو لازماً اسلوب بیان مستحسن الفاظ کی بندش رکھتا لیکن یہاں تو اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ تم نے مدد نہیں کی تو کیا ہوا؟ ہم نے خود اپنے محبوبؐ کی مدد کی جب کہ کافروں نے اسے نکال دیا۔ چونکہ کافروں سے کسی مدد کی امید وابستہ نہ تھی بلکہ ان سے دشمنی اور نقصان متوقع تھا لہٰذا جو مدد نہ کرنے کا ذکر آیا ہے یقیناً غیر کافروں (مسلمانوں) کے لئے ہے۔ دوم یہ ہے کہ جب دونوں غار میں تھے تو دوسرے صاحب کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے۔ تو اس حالتِ خوفزدگی کو جامۂ وحی پہنا دیا گیا۔ اور اس بات کو علانیہ بتا دیا گیا کہ دوسرے صاحب کو خود حضورؐ تسلیاں دیتے رہے۔ اصولاً[1] اُن صاحب کو رسولؐ کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے تھی نہ کہ بہت شکنی کا مظاہرہ۔ اور اگر یہی وضاحت کسی "وصیِّ نبیؐ" کی ہوتی ہے تو ہمارا ایسے وصی کو سلام مبارک ہو۔ ہمیں تو ایسا وصیّ جو حفاظتِ خدا اور رسول میں بھی ثابت قدم نہ رہ سکے اور ڈر پوک پن کا ثبوت دے کم از کم منجانب خدا و رسولؐ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ عوام و جمہور کی پسند ہے خواہ وہ اسے کوئی بھی مرتبہ دیں۔

اب ہم ان چار الفاظ کی طرف آتے ہیں جو بقول نظامی صاحب قابلِ غور ہیں۔ پہلا لفظ "ثانی" ہے۔ اس کے معنی "وصی" کر لینا نظامی صاحب ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی کسی لغت میں ثانی کے معنی "وصی" تحریر نہیں ہیں "ثانی" کے معنی "دوسرا" اور آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے نظامی صاحب نے بھی "دوسرا" ہی لکھا لیکن تشریح فرماتے ہوئے "ثانی" یعنی وصی کے لقب کی جو

---

[1] یہ بات عام دنیوی رواج کے تحت ہے ورنہ امتی نبی کو تسلی کیا دے سکتا ہے۔

منطق پیش کی گئی حلقہ ادب میں یہ ناقابلِ فہم ہے۔ یہ نظامی صاحب کی خوش عقیدگی کا نتیجہ ہے یا خوش فہمی کا خواب جو انہوں نے "ثانی" اور "وصی" کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ ورنہ "فریق ثانی" سے جو مراد ہوتی ہے وہ نظامی صاحب ہمیں سمجھا دیں۔ یا پھر یہ اشارہ وہ ہی سمجھ جائیں۔ کیونکہ اس کی وضاحت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

دوسرا لفظ "غار" ہے اس کے بارے میں مؤلف صاحب کہتے ہیں کہ "الغار" فرما کر اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی فرمائی کہ "تیرا وصی وہ ہوگا جو تیرے ساتھ غار میں موجود ہے"۔

باوجود اس کے کہ "الغار" کے لفظ سے ایسی پیشگوئی کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ ہم یہاں تھوڑی جرح کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

ا:۔ غار میں "وصی" بنانا عقلاً قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ جبکہ نام نہاد وصی بذاتِ خود خوفزدہ ہو اور اس کا اعتقاد تقویت پذیر نہ ہو۔ اُسے حفاظتِ خدا و رسولؐ پر توکلِ کامل نہ رہے ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں یہ ثابت کر دیں گے کہ "وصی" کو تقویٰ کی معراج حاصل ہوتی ہے اور وہ شجاع بے مثل ہوتا ہے۔

ب:۔ نائبِ رسولؐ علانیہ بنایا جاتا ہے نہ کہ غاروں میں چھپ کر۔ اور جو انتخاب ایسے ہوا کرتے ہیں انہیں سازش قرار دیا جاتا ہے۔ بھلا خدا یا رسولؐ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ "وصی" کا تقرر یوں کسمپرسی کے عالم میں "غار" میں کرتے۔

ج:۔ چونکہ آیت سرے سے ہی تفضیلی نہیں ہے لہذا اس سے "وصایت" کا استدلال ہی سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

د:۔ دنیا جانتی ہے کہ جب کوئی سربراہ اپنا ہیڈ کوارٹر چھوڑتا ہے تو وہاں

اللہ فرمائے گا" تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا باتیں کی ہیں " واضح ہو کہ حدیث شریف میں "اصحاب" کا لفظ آیا ہے۔

چوتھا لفظ "معنا" ہے یعنی ہم دونوں کے ساتھ۔ تو یہ لفظ بھی حضرت ابوبکر کے لئے کسی فضیلت کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ اگر وہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے کہ "اللہ" اُن کے ساتھ ہے۔ تو حضورؐ کو "غمگین" نہ ہو کے الفاظ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ چونکہ حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے ساتھ تھے لہٰذا اُن کی طفیل ان کی حفاظت بھی ہونا ہی تھی۔ چنانچہ تشفی اور گھبراہٹ دور کرنے کے لئے حضورؐ نے انہیں یاد دلادیا کہ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ خدا ہمارا مددگار و ناصر ہے۔

یہاں اس بات کا بیان کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ آیت "سورہ توبہ" میں ہے۔ یہی وہ سورۃ ہے کہ جس کی تبلیغ کے لئے پہلے حضرت ابوبکر کو مقرر کیا گیا۔ لیکن بعد میں انہیں معزول کر دیا گیا۔ اس معزولی کی وجہ کم از کم ضرور سوچیے۔ میں تو یہی سمجھوں گا کہ اگر اس میں فضائل حضرت ابوبکر واقع ہوتے تو آپ کو اس کی تبلیغ سے معزول نہ کیا جاتا۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ محولہ آیت میں کسی طرح بھی کوئی نص نہیں ملتی جس سے وصایت ابوبکر ثابت ہو سکے۔

وصی رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض قرآن کی روشنی میں

عنوان بالا کے تحت مؤلف نے "سورہ نور" کی آیت ۵۵ نقل کی اور اس کا

اپنا نائب یعنی "وصی" چھوڑتا ہے۔ اپنے اختیارات اس کے سپرد کرتا ہے۔ اور اپنا چارج حوالے کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے۔ اب وہ شخص قائم مقام ہوتا ہے۔ وہ اس کے فرائض کی ادائیگی بجالاتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ قائم مقام وہی ہے جو ہیڈ کوارٹر میں موجود ہے۔ اسی طرح واقعہ ہجرت میں بھی ہوا۔ حضرت علیؑ کو قائم یعنی "وصی" مقرر کیا گیا۔ تمام امور سپرد کئے گئے پس دین کے معاملات میں ہدایات دی گئیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہجرت پر کچھ لکھوں لیکن موضوع سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ بس اتنا لکھنا کافی ہے کہ ہر چیز کا چارج دیا گیا۔ حتیٰ کہ بستر کی چادر بھی حوالے کر دی اور مرضات اللہ کا اختیار بھی سونپ دیا گیا۔

ل:۔ حضرت ابوبکر جب رسول اللہ کے ساتھ تھے تو وہ محفوظ تھے۔ کیونکہ آپؐ نے حکم خدا کے مطابق ہجرت فرمائی اور آپؐ کی حفاظت خدا کے ذمہ تھی۔ لہٰذا غار میں وہ بالکل سلامت رہے۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ کو تلواروں کے سائے میں چھوڑا گیا۔ اور آپ ذرہ برابر خوفزدہ نہ ہوئے۔ بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ "جس قدر میٹھی نیند میں شب ہجرت سویا ویسا کبھی نہ سویا" آپؑ کی استقامت کا اندازہ آپ کے فرمودہ جملہ سے ہی ہو جاتا ہے۔

تیسرا لفظ "الصاحب" ہے۔ یہ لفظ ہر ساتھی کے لئے استعمال ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کسی کی فضیلت کا معیار مقرر کرنا درست قرار نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ بخاری شریف کتاب الحوض کی حدیث ۱۴۹۳ صفحہ ۲۷ پر ہے۔ انس کہتے ہیں کہ حضرت صلعم نے فرمایا "حوض پر چند اصحاب میرے پاس آئیں گے۔ اور جب میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ مجھ سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا (اے پروردگار) یہ لوگ میرے اصحاب ہیں۔

ترجمہ یوں لکھا:۔

"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں، وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے۔ اور وہ اُن کے لئے اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ اُن کے لئے خوف کے بعد بدل کر امن (کی حالت) کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کُفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔"

اِس آیت کا نام "النُّور" ہے۔ اور واقعی پُر نور بھی ہے۔ گذشتہ آیات میں رب العزت نے وصی رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین فرمایا مگر اس آیۂ مبارکہ میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی کہ وصی رسول اللہ کا عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ واقعی اس کا اہل ثابت ہو تو اس سے خالقِ کائنات نے تین زبردست وعدے فرمائے ہیں:۔

اوّل:۔ وعدہ استخلاف دوم:۔ تمکینِ دین

سوم:۔ خوف کی جگہ امن قائم کرنا۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے کچھ منت سماجت کی ہے کہ روایات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے لاریب کتاب پر غور کیا جائے اور کہتے ہیں کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک جو ایک ایسا جامع دستور العمل ہے۔ جو خود خالقِ کائنات نے مخلوق کے لئے نازل فرمایا۔ اس کے بتائے ہوئے اصولوں اور احکامات پر وصی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا ابوبکر چلے اور دوسروں کو چلایا اِن کا دور نا کامیاب رہا۔"

اِس سے پہلے کہ ہم حضرت ابوبکر کے دَور پر کچھ لکھیں۔ ہم آیت کو دوبارہ

پڑھتے ہیں اور مسٹر نظامی ہی کے تسلیم کردہ فرائضِ خلیفہ کو دہراتے ہیں۔ آیتِ محوّلہ سے بات بالکل صاف ظاہر ہے کہ وعدہ استخلاف کے لئے رب العزت نے مندرجہ ذیل شرائط مقرر فرمائیں:۔

(۱) وعدہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو صاحبِ ایمان ہوں۔

(۲) صالح ہوں۔ چونکہ سُنّتِ الٰہی میں تبدیلی محال ہے لہٰذا مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ قدرت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ خلافت کا منصب اسی طریقہ پر عطا کیا جائیگا جس طرح کہ پہلے تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے "جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے"۔ اس کے بعد خلیفہ ربّانی کی یہ صفت بھی بیان کی گئی کہ "وہ اُن کے لئے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا مضبوطی سے قائم کر دیگا نیز یہ بھی فرمایا کہ اُن کے لئے خوف کے بعد بدل کر امن کر دے گا۔ اس کے بعد یہ بھی نشاندہی کر دی کہ "وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے"۔ اِن سب صفات کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ جو ان خلفاء برحق کا انکار کرے گا وہی فاسق ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (اور جو کوئی اس کے بعد کفر کریں، تو وہی فاسق ہیں)

اب ہم ان تصریحات کے تحت دیکھیں گے کہ آیا حضرت ابوبکر وصی رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں یا حضرت علی علیہ السّلام۔

خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہو

جیسا کہ یہ امر مسلّمہ ہے کہ خلیفہ رسوؐل کا صاحبِ ایمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اب ہم اقوالِ رسول کی روشنی میں یہ دیکھیں گے کہ مدارج ایمان میں حضرت ابوبکر اور حضرت امیر علیہ السلام میں تفضیلی شخصیت کون ہے؟ چونکہ ہم شیعانِ

حیدرِ کرارؑ کا یہ دعویٰ ہے کہ بعد از رسولؐ حضرت امیر علیہ السلام کا درجہ تمام کائنات میں سب سے افضل ہے۔ لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے ہم فریقِ مخالف کی اسناد سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اور یہ بات کسی طرح بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہم حضرت ابوبکر کی فضیلت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلم اوّل جناب امیر علیہ السّلام ہیں اور آپ ہی نے سب سے پہلے تصدیق رسالت کر کے بارگاہِ نبوی سے لقب "صدیقِ اکبر" حاصل کیا۔ حضرت علیؑ کے ایمان کے بارے میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں۔ بلکہ امیر المومنین کا لفظ ان کی شان بن چکا ہے۔ اور جب بھی یہ لفظ استعمال میں آتا ہے تو بلا قرینہ اس سے مراد جناب علی علیہ السلام ہوتے ہیں۔ آپ کے ایمان کے بارے میں تو حدیث ضربت سارا معاملہ ہی سلجھا دیتی ہے نیز جیسا ارشادِ نبویؐ ہے "ایمانِ کُلّ سارے کُفر کے مقابلے میں جا رہا ہے" یہ حدیث کم از کم تیس معتبر کتب اہلسنت میں نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی صحت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ "ایمانِ کُل" کے ارشادِ رسولؐ کے بعد اب کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ درجہ ایمانی میں کسی بھی شخص کو حضرت علی کا ہم پلہ قرار دیا جائے۔ کتب اہلسنت میں کم و بیش تین سو روایات دیکھنے میں آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام ایمان کے درجہ کمال ترین پر تھے۔ اور انہیں حضورؐ نے "امام المتقین" کا لقب بھی عطا کیا تھا۔

اس کے برعکس ہم تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جس قدر فضائل احادیث واخبار میں حضرت علیؑ کے ہوتے ہیں حضرت ابوبکر کے نہیں ملتے۔ بلکہ اہلسنت ہی کی کتب میں بیشتر ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایمان حضرت علیؑ سے کمتر تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ کتب اہلسنت میں ایسی احادیث ملتی ہیں جو نقل کرنے سے رواداری باقی نہ رہنے کا خدشہ ہے بہرحال بطور نمونہ ناظرین

کے لئے صرف ایک ہی روایت نقل کر دیتے ہیں۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ تمہارے اندر شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی پوشیدہ چلتا ہے۔" بحوالہ مشہور ترین کتب اہلسنت

(i) تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۵، صفحہ ۲۲۹

(ii) در منثور مؤلفہ علامہ اہلسنت جلال الدین سیوطی جلد ۲ صفحہ ۵۴

(iii) کنز العمال علامہ علی متقی جلد ۲ صفحہ ۹۸-۹۹

(iv) ادب المفرد امام بخاری

(v) ازالۃ الخفا مشہور محدث اہلسنت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صفحہ ۱۹۹

(vi) حیوٰۃ الحیوان علامہ اہل سنت دمیری جلد ۲ صفحہ ۲۲ وغیرہ

منقولہ حدیث جو کتب اہلسنت سے ہی نقل کی گئی اس بات کا ثبوت ہے کہ نام نہاد "وصی" کا درجہ ایمان قدرت کے مقرر کردہ معیار کے مطابق نہ تھا۔ لہٰذا ہم مدعی کی گواہی کو دلیل بناتے ہوئے یہ لکھتے ہیں چونکہ آئت کے مطلوبہ معیار پر حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کے ہم مرتبہ قرار نہیں پاتے اس لئے بے شمار قوی شہادتوں کی بنا پر حضرت علیؑ کا درجہ ایمان حضرت ابوبکر سے بلند و بالا ہے اور استخلاف کا وعدہ حضرت علیؑ پر پورا ہوتا ہے۔

خلیفہ کا صالح ہونا ضروری ہے

شرط اوّل میں غیر مناسب اور کجی ایمان کے ثبوت کے بعد صفت "صالحیت" کے بحث کا جواز تو باقی نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ جس قدر ایمانی درجہ بلند ہو گا اسی قدر صالحیت نشو و نما پائے گی۔ لیکن اتمام حجت کی خاطر ہم صرف مثبت پہلو کو زیر غور لائیں گے۔ اور یہ ثابت کریں گے کہ حضرت علیؑ صالحین کے سردار ہیں۔ اور ان سے زیادہ صالح بعد از رسولؐ کوئی شخص نہیں ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل روایاتِ اہلسنت اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں کہ جناب امیرالمومنینؑ صالح المومنین تھے۔

۱:۔ اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے سُنا ہے کہ
خدائے پاک کے کلام میں "صالح المومنین" سے "علیؑ" مراد ہیں۔

روایت اہلسنت :۔ اخرجہ ابونعیم وابن ابی حاتم والمتقی فی کنز العمال و سیوطی فی درالمنثور بحوالہ ارجح المطالب مولانا عبید اللہ امرتسری باب اوّل ص ۳۵

۲:۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ پروردگار تعالیٰ کے اس قول میں کہ
"ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین" صالح المومنین سے علی ابنِ ابی طالب مراد ہیں۔

روایت اہل سنّت :۔ اخرجہ ابن عساکر وابن مردویہ والسیوطی فی الدرالمنثور بحوالہ ارجح المطالب باب ۱ ص ۳۵۔

عطائے خلافت حسب سُنّت سابقہ

چونکہ وعدہ استخلاف کے ساتھ شرط ہے کہ اسی طرح خلیفہ بنائیں گے جس طرح کہ پہلے بنائے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ پہلے خلفاء کیسے بنے۔ کیا کسی خلیفہ کے لئے کسی جگہ پر الیکشن وغیرہ ہوا؟ بالکل نہیں۔ بلکہ خود خدا نے تقرر فرمایا۔ اور نبی نے تعارف کرا دیا۔ موقف اہل تشیع یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ بلافصل ہیں۔ اور اس بات کا اقرار ہر شیعہ جزو ایمان سمجھتے ہوئے کلمہ کے ساتھ بھی کرتا ہے۔ اس موضوع پر علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس موضوع کو طویل کرنا منظور نہیں ہے۔ ہم تو سیدھی سی بات کرتے ہیں کہ صاحب اگر کبھی بھی نبی کے خلیفہ کا انتخاب اسی طرح ہوا جیسا کہ حضرت ابوبکر صاحب کا تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ دوسرے یہ کہ

کبھی کوئی صحابی جانشینِ رسول ہوا تو ہمیں بتا دیجئے۔ اگر دونوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو پھر معاملہ طے پا گیا۔ کہ حضرت ابوبکر لوگوں کے منتخب خلیفہ تھے۔ اور صحابی لیکن حقیقی وصی رسول اللہ نہ تھے۔ اگر حضرت ابوبکر واقعی وصی رسولؐ اللہ تھے تو کوئی بھی معتبر قول نقل کیجئے جس میں انہوں نے خود کو وصی رسولؐ منجانب اللہ ہونے کا تعارف کرایا ہو۔

اس کے برعکس حضرت علیؑ نے ہمیشہ وصی رسولؐ ہونے کا اعلان برملا کیا۔ ہم آئندہ صفحات میں ایک موازنہ پیش کریں گے جو اقوال زریں علیؑ و ابوبکر پر مشتمل ہو گا۔ اور ناظرین خود اندازہ لگائیں گے کہ کس طرح حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا اور ان کی ذاتی رائے کیا تھی۔

خلیفہ دین کو مضبوطی سے قائم کرے گا

ارشادِ قدرت میں یہ بات کسی طرح بھی نہیں مل پاتی۔ خدائی خلیفہ حکومت قائم کرے گا۔ مرکز مضبوط بنائے گا۔ یا عالی شان فتوحات کرے گا۔ بلکہ ارشاد ہے کہ وہ خلیفہ استحکام دین کا قیام کرے گا۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ خلیفہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بادشاہ ہی ہو۔ اور ریاست کے امور اس کے پاس ہوں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دین کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ دین کی نشر و اشاعت کے لئے حضرت علیؑ کی کارکردگی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ خانوادہ رسول نے اسلام کے پودے کو اپنے خون سے پروان چڑھایا۔ اور جس قدر علوم کے دریا بہائے آج زمانہ اس کا اعتراف کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے لوگوں نے بھی اقرار کر لیا کہ ابوحنیفہ کو امام جعفر صادق سے کیا نسبت علوم تو سب اہل بیتؑ سے ہی نکلے ہیں۔ (دیکھیے سیرۃ النعمان مولفہ شبلی نعمانی)

اور حضرت معین الدین چشتی نے یوں اقرار کیا:

شاہ است حسینؑ۔ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ۔ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزیدلعنہ
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اور پھر مفکر اسلام حکیم الامت علامہ اقبال نے تو بات ہی ختم کردی ہے۔[1]

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضرب یداللہی، اک سجدۂ شبیریؑ

ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم ٭ زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

واقعہ کربلا میں دین کا قیام ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ اس قدر عظیم قربانی صرف وہی خلیفہ برحق دے سکتا ہے جو منجانب رب العزت ہو۔ آیت کے اگلے الفاظ اس موقف کو قوی بنا دیتے ہیں کہ خوف کے بعد ان کی حالت امن بحال ہو جاتی ہے۔ واقعہ کربلا اس آیت کی تفسیر ہے۔

اس کے برعکس جو تمکین دین دورِ خلافت ابوبکر میں ہوئی اس پر اظہارِ خیال ہم اگلے صفحوں میں کریں گے۔

خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ عابدِ کامل ہو اور مشرک نہ ہو۔

قدرت نے یہ واضح کردیا کہ جو اس کی جانب سے خلیفہ مقرر ہوگا۔ وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہوگا۔ اگر خلیفہ کے لیے صرف عبادتِ ربانی ہی ضروری ہوتی تو بات یہیں تک رہ جاتی کہ میرا خلیفہ میری عبادت کرے گا۔ لیکن قدرت کی حکمت ہے کہ آیت کو آگے بڑھایا اور ایسی شرط عائد کردی جو دو ٹوک فیصلہ کر

---

1 ۔ تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ شعر علامہ اقبال کا نہیں ہے۔ (م)

دیتی ہے کہ "اس کا منتخب خلیفہ شرک نہیں کرے گا۔ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ خلیفہ عابد و کامل ہونے کے ساتھ شرک سے محفوظ ہوگا۔ چنانچہ اب آسانی سے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ حقیقی خلیفہ کون ہے؟ یہ بات متفق بین الفریقین ہے کہ حضرت علی نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی بھی شرک نہیں کیا۔

اس کے برعکس حضرت ابوبکر چالیس برس کی عمر میں اسلام لائے اور اپنی عمر کا طویل حصہ بت پرستی کی۔ یہ شرف صرف حضرت علیؑ کو حاصل ہے کہ اپنے تو رہے ایک طرف غیر بھی ان کے اسم گرامی کے بعد "کرم اللہ وجہہ" لکھتے ہیں۔ یہ تو تھا ان کا محفوظ عن الشرک ہونا۔ اور عبادت کا جہاں تک تعلق ہے خود آپ کا نام ہی عبادت بنا دیا گیا جیسا کہ کتب اہلسنت میں یہ حدیث ملتی ہے کہ "علیؑ کو دیکھنا عبادت ہے"۔ "علیؑ کا ذکر عبادت ہے"۔ "علیؑ کی محبت عبادت ہے"۔ اس حدیث کو کم و بیش بیس جگہ پر دیکھا گیا ہے۔ دیکھیے ارجح المطالب، ینابیع المودۃ، مناقب علی وغیرہ)

روزِ خندق حضورؐ کا یہ فرمانا۔ "خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے"۔ روایت اہلسنت بحوالہ ارجح المطالب۔

یعنی صرف ایک ضربت کا یہ درجہ ہے، اور باقی عبادت کیا ہوگی۔ واضح ہو کہ ثقلین کے محیط میں عبادتِ ابوبکر بھی شامل ہے۔ اس لیے حضرت علیؑ حضرت ابوبکر سے اس لحاظ سے بھی افضل قرار پائے کہ آپ سے شرک سرزد نہ ہوا۔ اور آپ کی عبادت کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بعد از قبولِ اسلام حضرت ابوبکر نے نہ ہی کوئی شرک کیا اور نہ ہی عبادت میں کوئی کسر اٹھا رکھی۔ تو ہم نے اہلسنت ہی کی کتب سے پچھلے اوراق میں ثابت کیا کہ آپ میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی پوشیدہ تھا۔ دوسرے آیت میں اس قسم کی

تخصیص بیان نہیں ہوئی بلکہ صاف الفاظ میں ارشاد ہے کہ "میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے"۔

خلیفۂ خدا کا انکار، کفر، فسق ہے

پس جو مندرجہ بالا شرائط پر پورا اترنے والے خلیفہ کا منکر ہوگا وہ فاسق ہوگا۔ جیسا کہ آیت کے الفاظ "جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہے"۔ سے ثابت ہے۔

چنانچہ یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت منجانب خدا نہ تھی۔ تو اُن کے دور کی کامیابی یا ناکامی پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کامیاب دور اور اعلیٰ نظم ونسق کی حامل حکومتیں تاریخ میں عام مل جاتی ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ اسے "خلافت حقہ" کا جواز مانا جائے۔ جبکہ حکومتِ دنیوی "ولایتِ خداوندی" کا لازمہ ہی نہیں ہے۔ وصایت کا خاصہ "قیام دین" ہے اور اس ضمن میں ہم نے گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کردی ہے کہ دین کے قیام کے لئے جو قربانیاں آلِ محمد علیہم السّلام نے پیش کی ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ توفیق حاصل نہ ہو سکی۔ جب کبھی بھی شجرِ اسلام کو آبپاشی کی ضرورت ہوئی۔ آلِ محمدؐ نے اپنے خون سے اسے سیراب کیا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

جہاد و انفاق فی سبیل اللہ اور حضرت ابوبکر الصدیق کا بلند مرتبہ قرآن میں

منقولہ بالا عنوان کے تحت صاحب رسالہ "وصی رسول اللہ" نے لکھا ہے کہ خدا نے صحابہ کے درجات کو بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد کیا:- "اور تمہارا کیا

عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے۔ تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ اور (راہ خدا میں) جہاد کیا۔ یہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ کون ایسا ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔ پھر وہ اس کو بڑھاتا ہے۔ اور اس کے لئے عزت والا بدلہ ہے۔"

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ میں انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کرتے ہوئے خالقِ کائنات نے اس حقیقت کی بھی وضاحت فرمائی کہ ایک وقت ایسا آئے گا جو لوگ صحابہ کبار کے مراتب اور درجات کے جھنجھٹ میں پھنس کر تفرقہ کا خواہ مخواہ موجب ہوں گے۔ پس اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ وہ صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں مال و دولت کو خرچ کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ ان کا درجہ ان صحابہ سے اعلیٰ و افضل ہے جنہوں نے اس فتح کے بعد خرچ کیا بلکہ اس تن من دھن کی قربانی کو قرض حسنہ قرار دیا۔ اور اس کے اعلیٰ ترین بدلہ کا وعدہ بھی فرمایا۔ اس کے بعد صاحب رسالہ نے حضرت ابوبکر کی قصیدہ خوانی کی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ "اسلام کا کوئی غزوہ ایسا نہیں جس میں حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق نے تن من دھن کی قربانی پیش نہ کی ہو۔ اس کے بعد مولف صاحب نے بلا حوالہ جات چند روایات اپنی ہی کتب سے لکھی ہیں کہ حضرت ابوبکر نے غزوہ بدر۔ احد۔ خندق حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ اور تبوک میں جہاد کے فرائض انجام دیئے۔

حسب معمول نظامی صاحب نے تمام تر شواہد کتب اہلسنت سے حاصل کئے۔ جن پر جرح کرنا ہم پر لازم نہیں آتا ہے۔ قرآن مجید کے سلسلے کے مطابق

یہ بات واضح ہوگئی کہ مراتب کے لحاظ سے وہ لوگ افضل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے جہاد میں شامل رہے۔ اور انہوں نے راہِ خدا میں خرچ کیا ان لوگوں سے جو بعد از فتح مکہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

اب ہم ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ از روئے کتب اہلسنت حضرت ابوبکر کی استقامت میدانِ جہاد میں کس درجہ پر تھی۔ (میدانِ مقابلہ میں "نعرۂ حیدری" کا رواج جو اس دورِ جدید میں بدستور قائم ہے حضرت علیؑ کے جہاد فی سبیل اللہ کی واضح دلیل ہے) نظامی صاحب نے جو کچھ لکھا بلا ثبوت لکھا لیکن ہم اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ البتہ سُنّی کتابوں کے اقتباسات ہی نقل کریں گے۔ اور فیصلہ ناظرین کے ایمان پر چھوڑ دیں گے۔

مشہور علامہ اہلسنت حسین بن محمد دیار بکری اپنی کتاب "تاریخ الخمیس" میں حضرت ابوبکر کا یہ قول نقل کرتے ہیں :-

"جب اُحد کے دن لوگ رسولؐ کے پاس سے منتشر ہوگئے (یعنی ساتھ چھوڑ گئے) تو سب سے پہلے میں (ابوبکر) نبیؐ کے پاس واپس آیا تھا۔"

حضرت ابوبکر کا واپس آنا تب ہی ممکن ہو سکتا تھا جبکہ منتشر ہونے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ اُن کا اس بات کا اعتراف یہ دلیل ہے کہ جنگِ اُحد میں آپ ثابت قدم نہ رہ سکے تھے۔

سُنّی کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جنگِ حنین میں بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب میدانِ جنگ میں قدم نہ جما سکے۔ جیسا کہ :
(i) تاریخ الخمیس (ii) روضۃ الاحباب (iii) تاریخ حبیب السیر میں تقریباً ایک ہی طرز کا مضمون ہے :-

"جنگِ حنین میں سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید کے پیر اکھڑے۔ پھر باقی اصحاب و انصار چل دیئے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی قدم نہ جما سکے۔"

اور تفسیر قادری میں جنگِ حنین (جو کہ "بیعتِ رضوان" کے بعد ہوئی تھی) کے موقع پر حضرت ابوبکر کی جو حالت بیان کی گئی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ تفسیر مذکورہ میں صاف لکھا ہے کہ چار حضرات یعنی حضرت علیؑ۔ حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوسفیان بن حارث کے علاوہ تمام اصحاب میدان چھوڑ گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ میدان نہ چھوڑنے والوں میں حضرت ابوبکر کا نام نامی عنقا ہے۔

تاریخ حبیب السیر میں مسلمانوں کے فرار کا ذکر کرنے کے بعد صاحب تاریخ مذکور رقم فرماتے ہیں:۔

"پرسید کہ ابوبکر و عمر کجا بودند ؟ گفت آں نیز در گوشہ رفتہ بودند"

یعنی جب یہ پوچھا گیا کہ ابوبکر و عمر کہاں تھے تو راوی نے کہا کہ "وہ بھی کسی کونے میں چلے گئے تھے۔" یہ روایات اس ضمن میں روشنی کے لئے کافی ہیں کہ حضرت ابوبکر کا درجہ جہاد اور مرتبہ قرآنی کیا تھا۔ اس کے برعکس یہ دعویٰ عام ہے کہ آج تک کوئی بھی اپنا یا پرایا حضرت علیؑ پر یہ اعتراض وارد نہ کر سکا کہ آپ نے کبھی بھی میدانِ جہاد سے فرار کیا یا ثابت قدمی کا ساتھ چھوڑا ہو۔

مغازی سے فرار کا انجام

اب ہم ایک قرآنی آیت نقل کرتے ہیں۔ جو فرارِ جہاد کے انجام کی نشاندہی کرتی ہے

سورۂ انفال" میں ارشادِ خداوندی ہے " اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔ اور باستثنا اس شخص کے جو قتال کے لئے ہنر کرے یا اپنے گروہ سے ملنا چاہے۔ جو شخص ان کو پیٹھ دکھائے گا۔ وہ خدا کا غضب لے کر پلٹے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ وہ بُرا ٹھکانہ ہے"۔

اس آیت کی روشنی میں ہر صاحبِ انصاف سے گذارش ہے کہ خود ہی فیصلہ کرے کہ جو شخص پروردگارِ عالم اور سرکارِ دو عالمؐ کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہو اور جہاد میں ثابت قدم رہتے ہوئے عملاً تصدیقِ رسالت نہ کر سکا ہو۔ اس کا مرتبہ بلحاظ قرآن مبین کیا ہو سکتا ہے؟

حضرت علیؑ کو حاکم مدینہ مقرر کرنیکی مصلحت

اس عنوان کے تحت مسٹر نظامی نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ کو غزوہ تبوک کے موقع پر قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اور نظامی صاحب کے نزدیک اس تقرری کا سبب ایک حکمت اور پوشیدہ پیشگوئی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے یوں اظہارِ خیال فرمایا۔ "چنانچہ آپ نے زندگی میں پہلی دفعہ مدینہ سے باہر جاتے وقت حضرت علیؑ کو حاکم مدینہ نامزد فرمایا۔ اور غزوۂ تبوک جو ۹ھ میں ہوا وہ آپ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں حضرت علیؑ کو حاکم مدینہ بنانے میں بھی ایک حکمت اور پیشگوئی پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ یعنی حضرت علیؑ کو خلافت سب سے آخر میں ملے گی۔ اور واقعات شاہد ہیں کہ حضورؐ کے اس آخری غزوۂ تبوک کے انتخاب کے مطابق ہی حضرت علیؑ کو خلفائے راشدین کے دور کی آخری خلافت ملی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتخاب میں کسی کی کیا مجال تھی جو ذرّہ بھر بھی تبدیلی کر سکتا"۔

اگر نظامی صاحب کی قیاس آرائی کو مان لیا جائے کہ آخری غزوہ میں آنحضرت ص نے جو حضرت علیؑ کو حاکم مقرر فرمایا، یہ اُن کے آخری خلیفہ ہونے کی پیشگوئی تھی۔ تو ہم اب نظامی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے تیار کردہ اصول کے مطابق حضرت ابوبکر کو بھی پہلی دفعہ (یعنی کسی پہلے غزوہ میں) حاکم ہونے کا موقع ملنا چاہیئے تھا۔ تاکہ اُن کے خلیفۂ اوّل ہونے کا ثبوت بن جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس لئے یہ محض ایک قیاس ہے اور ایک مفروضہ پیشگوئی ہے۔ نظامی صاحب کی پیش کردہ خلافتِ راشدہ کی فہرست کے مطابق آخری خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام کی[1] ہے نہ کہ حضرت علیؑ کی۔ اس لحاظ سے بھی یہ قیاس درست قرار نہیں پا سکتا۔ نیز

نظامی صاحب نے اس تقرری کا تعلق خلافت سے تسلیم کر لیا ہے

جیسا کہ انہوں نے چوتھی خلافت کا قیاس قائم کیا۔

نسبتی حدیث اور اس کا مفہوم

اس کے بعد مصنف نے حدیثِ منزلت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مفہوم صرف اتنا تھا کہ جس طرح کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ تشریف لے جاتے ہوئے وقتی طور پر اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل پر حاکم اور اہل بیتِ موسیٰ اور اہلبیت ہارون کا محافظ مقرر کر گئے تھے۔ اسی طرح آپ بھی حضرت علیؑ کو وقتی طور پر یہ خدمت سونپ رہے تھے۔

پھر صاحبِ رسالہ نے حضرت علیؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہارونؑ اور علیؑ میں بعض امور میں مماثلت نہ تھی۔ اور اُن امور میں مراتب و مدارج کا ذکر نہیں کیا بلکہ ظنی نسبتوں

---

[1] جیسا کہ خود نظامی صاحب نے آخری خلیفہ امام حسنؑ کو لکھا ہے۔

کا بیان ہے۔ حالانکہ حدیث میں لفظ منزلت ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے خلیفہ نہ ہوئے بلکہ قوم موسیٰ کے صدیق "یوشع بن نون" وصیٔ موسیٰ قرار پائے۔

ہم حدیث منزلت کے بارے میں یہاں کچھ اظہار خیال نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جسے مسلمانوں نے بلا اختلاف تسلیم کر لیا ہے حتیٰ کہ خود نظامی صاحب نے اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ نیز جب نظامی صاحب نے اصولاً وصایت کی شرط صدیقیت مان لی ہے تو اب یہ بھی مان لینا چاہیئے کہ "امتِ محمدیہؐ" کے "صدیق اکبر" حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ بیان میں ثابت کیا ہے۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق ہی نہ ٹھہرے تو وصیٔ رسولؐ اللہ کیونکر ہو سکتے؟

اسی بیان ص۴۹ پر نظامی صاحب نے لکھا ہے "حضرت علیؑ نے بھی تو کبھی اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ اللہ قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی اپنے زمانہ خلافت میں آپ نے "خلیفہ رسولؐ اللہ" کہہ کر خود کو مخاطب کرایا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر لکھی۔ بلکہ آپ نے بھی "امیر المومنین" کا لقب ہی اختیار کیا۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد سلطان نظامی صاحب نے یہ تکلیف ہی گوارہ نہیں کی کہ قلم اٹھانے سے پیشتر وہ کچھ ذمہ داری محسوس کرتے اور شیعہ کتب نہ سہی کم از کم اپنے مسلک کی کتب پر ضرور نظر ڈال لیتے جہاں متعدد بار حضرت علیؑ نے اپنا حقِ خلافت لوگوں کو جتایا چنانچہ اب ہم چند امثال پیش کرتے ہیں کہ جو یہ ثابت کریں گی کہ حضرت علیؑ نے دعویٰ خلافت کیا۔

جناب امیر علیہ السّلام خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ پر مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کو فرمایا کہ "تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی (ہم اہلبیت) خلافت پر تسلط جما لیا ہے۔ حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول اللہ صلعم کے اپنا حق جانتے ہیں" (روایت اہلسنت)

تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ پر ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کو کہا۔

"ہم اسے (خلافت کو) اپنا حق سمجھتے تھے۔ اور تم نے ہمارا کام پریشان کر کے ہمارے حقوق پر غلبہ کر لیا پھر قرابت رسولؐ خدا کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ابوبکر رونے لگے"۔

(روائت اہلسنت)

تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۷ میں باسناد جناب علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ "امر خلافت میں مجھ سے زیادہ کوئی مستحق نہ تھا"۔

(روائیت اہل سنّت)

روضۃ الاحباب جمال الدین محدث جلد ۳ صفحہ ۲ پر خطبہ اوّل جناب امیر علیہ السّلام نقل کیا ہے کہ آپ نے ابتدائے کلام یوں فرمایا "شکر ہے رب عالمین کا جس نے حق کو اپنے مقام پر لوٹایا"۔ یعنی جناب امیر علیہ السّلام اپنے سے قبل حضرات کو حق پر نہ مانتے تھے (روائیت اہلسنت)

صواعق محرقہ طبع مصر صفحہ ۵ میں ہے دار قطنی نے روائت کی بتحقیق امام حسن علیہ السّلام نے فرمایا "میرے باپ کے منبر سے اتر جائے" ابوبکر صاحب نے کہا "آپ

نے سچ فرمایا۔ خدا کی قسم یہ تیرے باپ کا مقام ہے۔ پھر ابوبکر نے امام حسن کو لے کر اپنی گود میں بٹھلایا اور رو دیئے"۔

اسی طرح مروی ہے ابونعیم سے جیسا کہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۵ میں ہے۔ نیز دیکھئے اسعاف الراغبین۔

اسی طرح کا واقعہ مابین حضرت عمر اور حضرت امام حسین علیہ السلام ہوا۔ حوالہ کے لئے دیکھئے:۔

(۱) تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی ص ۹۷

(۲) ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۸ وغیرہ۔

یہ چند حوالہ جات نظامی صاحب کے لئے کافی ہوں گے کہ حضرت علیؑ نے خود کو دعویدار سمجھا۔ نہ صرف یہ بلکہ خود حضرت ابوبکر نے بھی حضرت علیؑ کے اس حق کو تسلیم کیا۔

نسبتی حدیث کے بیان کے بعد نظامی صاحب نے اپنی کتابوں سے فضائل ابوبکر نقل کئے چونکہ وہ از روئے کتب اہلسنت ہیں (باوجود اس کے کہ یہ مجروح ہیں) ہم رواداری کے پیش نظر ان پر جرح نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہم اہلسنت کی کتب سے منقولہ روایات پر بحث کریں جبکہ ہم انہیں حجت ہی نہیں مانتے۔

وصیٔ رسولؐ اللہ — تاریخ کی روشنی میں

اس عنوان کے تحت نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کو چلانے کے لئے انسانوں کو ایک دین اور مرکز پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ ہدایت کے لئے پیغمبران مبعوث کئے گئے اور ان کی تصدیق قوم کے صدیق سے

کروائی گئی۔ پھر قوم کی رہنمائی کے لئے شہداء کو پیدا کیا۔ اور پھر صالحین کے ذریعے منافرت و اختلاف دور کئے گئے۔ افرادِ قوم کو ایک مرکز "اسلام" پر جمع کر دیا گیا۔ یہی قاعدہ اوّل تا آخر تک رہا۔ ہر نبی ایک وقت میں نبوت و امامت دونوں فریضوں کو آئینِ خداوندی کے تحت بجا لاتا رہا۔ اسی طرح حضورؐ نے بھی نبوّت و امامت کے فرائض پورے کئے۔ نیز انہوں نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت اور اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ایسے شخص کو تعلیم بھی دی جو ان کے بعد فریضہ امامت و خلافت کو قرآن و سنّت کے ماتحت سرانجام دے۔ چنانچہ بقول نظامی صاحب "اس اہم فریضہ کے لئے اُن کی نظرِ انتخاب حضرت ابوبکر صدیق پر پڑی۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت ہی آپ نے اس طرح فرمائی تاکہ امت مسلمہ اُن سے استفادہ حاصل کر سکے۔ اور اسلام کی نشر و اشاعت میں کسی قسم کی کوئی روک واقع نہ ہو۔"

مندرجہ بالا کلام سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ نظامی صاحب نے اہلِ تشیع کا بنیادی اصول "امامت" تسلیم کر لیا ہے۔ نیز انہوں نے یہ حقیقت بھی مان لی کہ نبی کے بعد امام اور خلیفہ کا تقرر لازمی ہے۔ اب صرف یہ اختلاف رہ جاتا ہے کہ آیا نظرِ انتخابِ رسول اللہ حضرت ابوبکر پر پڑی یا حضرت علی علیہ السّلام پر۔ چنانچہ آئندہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ یہ شرف حضرت علیؑ کو ہی نصیب ہوا۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ "رسولؐ نے مجھے اس طرح پروان چڑھایا جیسے ایک پرندہ اپنے بچّے کی پرورش کرتے ہوئے اُسے خوراک دیتا ہے۔" بہ روایت اس طرح سے بھی منقول ہے کہ "رسولؐ نے مجھے ایسے علم سکھایا جیسے کوئی پرندہ اپنے بچّے کو خوراک دیتا ہے۔" اس طرح آپ کو بابِ مدینۃ العلم کا لقب بھی عطا ہوا۔

آپ ہی کو باب حکمت کہا گیا ہے۔ دنیا میں آپ ہی نے ذمہ داری سے ایسا چیلنج دیا کہ "پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہو۔ علیؑ زمین کی نسبت آسمانوں کے راستوں سے زیادہ واقف ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر نے ایسا دعویٰ کبھی بھی نہیں کیا۔ بلکہ خود نظامی صاحب نے حضرت ابوبکر کے خطبہ سے یہ جملہ نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا۔ "اگر مجھے راستے سے بھٹکا ہوا پاؤ تو مجھ کو سیدھا کر دو۔" یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ معصوم نہ تھے اور بھٹکنے کا اندیشہ تھا۔ جو نقصِ علم کی بھی علامت ہے۔ ہم آگے جب نائبِ رسولؐ کی خصوصیات لکھیں گے تو اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ فی الحال یہی کہنا ہے کہ۔ نظامی صاحب کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ نے فریضۂ امامت و خلافت کی بجا آوری کے لئے حضرت ابوبکر کو تعلیم دی محتاجِ دلیل ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو تاریخ کے مطابق خود کو لائق خلافت ہی نہ سمجھتے تھے۔

اس کے بعد جنگ احد کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر نظامی نے ابوسفیان کے استفسارِ دربارۂ ابوبکر کو دلیل بنایا کہ کفار حضرت ابوبکر کو رسولؐ کا وصی سمجھتے تھے۔ اور اس واقعہ کی خود ہی تردید کرتے ہوئے مسٹر نظامی نے صـ۵۷ پر لکھا ہے کہ "بیعتِ عامہ کے بعد ایک روز جب حضرت ابوسفیان نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے مشورہ دیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔" اس سے یہ ثابت ہوا کہ ابوسفیان حضرت علیؑ کو مستحق خلافت سمجھتا تھا نہ کہ حضرت ابوبکر کو۔

ایک طرف تو مسٹر نظامی یہ فرماتے ہیں کہ "وصی رسول اللہ کا انتخاب من جانبِ اللہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ابوبکر بھی وصی رسولؐ از جانبِ خدا ہیں" لیکن ساتھ ہی اپنے خیال کی خود ہی تردید کر دیتے ہیں اور صـ۶۶ پر لکھتے ہیں کہ "آپ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد امت میں جو مہاجرین و انصار و اہلبیت میں خلافت

کے بارہ میں مختلف خیالات و اختلافات رونما ہوئے۔" ان سب بزرگانِ دین نے متفقہ رائے سے اپنے اختلافات کو مٹاتے ہوئے صدیقِ اکبر کو اسی لئے خلیفہ اور وصیٔ الرّسولؐ منتخب کیا کہ اُن کے سامنے مندرجہ بالا تمام فضائل تھے جو انہیں زمانۂ حیاتِ نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں نصیب تھے۔"

یہ عبارت ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت ہر طبقہ (مہاجرین۔ انصار۔ اہلبیت) میں اختلاف تھا اور بعد میں لوگوں نے متفقہ رائے سے حضرت ابوبکر کو منتخب کیا۔ خدا کی طرف سے کوئی نص نہ تھی حالانکہ نظامی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ "وصیٔ رسولؐ" کا انتخاب خود قدرت کرتی ہے۔ نہ کہ امت۔ اس بات کو بھی آئندہ کے لئے باقی رکھتے ہیں اور ہم تاریخ سے انتخاب ابوبکر کی چند جھلکیاں ناظرین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اس کے بعد نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ "بعد از وفات رسولؐ جس قدر اختلافات اور فتنے بپا ہوئے حضرت ابوبکر صدیق نے نہائت تدبّر و بردباری سے احسن طریق پر اُن کو دور فرمایا۔ اور اُمّت محمدیہ کو شاہراہِ ترقی پر گامزن کیا۔

اگر تدبّر و بردباری اسی کا نام ہے کہ "بضعۃ الرسولؐ" کے گھر کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ نفسِ رسولؐ کے گلے میں رسّی باندھی جائے اور ہر آواز کو بزورِ شمشیر دبا دیا جائے تو ایسی مثالیں اس ترقی پذیر دور میں ضرور مل جاتی ہیں۔ ہم اس شاہراہِ ترقی کی گامزنی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ اور پھر ناظرین کی منصف مزاجی پر یہ فیصلہ چھوڑ دیں گے کہ قرآنِ پاک میں خلافت اور اس کی ذمہ داریوں کی جو تفصیل آیت استخلاف میں ہے حضرت ابوبکر نے ان کو کس حد تک پورا کیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرائض کس انداز سے پورے کئے۔

رازدارِ نبوّت

اس عنوان کے ذیل میں مؤلف موصوف نے حضرت ابوبکر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ رازدارِ نبوت تھے۔ اس ضمن میں وفاتِ پیغمبرؐ کا واقعہ بمطابق کتب اہلسنت تحریر کیا ہے۔ اور کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے حضرت ابوبکر کو رازدارِ نبوت تسلیم کیا جا سکے۔ اس بیان پر ہم صرف دو باتوں پر اظہارِ خیال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ نظامی صاحب نے ایک موضوع حدیث لکھی ہے۔ "حضورؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کی طرف جن لوگوں کے دروازے ہیں ان سب کو بند کر دیا جائے۔ صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہے" یہ حدیث موضوع ہے اور خود سُنی اصولِ حدیث ہی سے ناقابلِ اعتبار ہے جبکہ دروازہ صرف حضرت علیؑ کا کھلا رکھا گیا۔ دوسری بات یہ کہ نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے خاندانِ نبوت کو تجہیز و تکفین رسولؐ کے متعلق ہدایات دیں۔ یہ خلاف واقعہ ہے کیوں کہ معتبر شواہد تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر وغیرہ آنحضرت کے جنازہ و کفن و دفن میں شامل نہ تھے جیسا کہ کنز العمال جلد ۳ صہ ۱۴۰ پر مرقوم ہے۔ اسی طرح اُم التواریخ تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۹۹ پر بھی یہی بات مرقوم ہے۔

مستحقین خلافت

جب کہ استحقاقِ خلافت صرف "صدیق" کے لئے ثابت ہے تو اُمتِ اسلامیہ میں فوراً بعد از وفاتِ پیغمبرؐ اصحابِ رسولؐ میں اختلاف کیوں پیدا ہوا؟ بقولِ نظامی صاحب صحابہ تین مختلف جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کو انہوں نے جماعت انصار کا نام دیا جو خلیفہ کا انتخاب عام رائے سے کرانا چاہتے تھے۔ اور حضرت سعد بن عبادہ کو نامزد کرنے کے حق میں تھے۔ دوسرے گروہ کو انہوں نے جماعت

صحابہ کا نام دیا ہے۔ جو رائے عام کے حق میں ضرور تھے لیکن نامزدگی خاندانِ قریش سے چاہتے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے نظامی صاحب انصار کو فہرستِ صحابہ سے الگ سمجھتے ہیں) تیسرے گروہ کو انہوں نے "خاندانِ رسالت" قرار دیا ہے۔ جو حضرت علی کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔

یہ گروہ بندی آخر کیوں کی گئی؟ جب کہ معاملہ طے شدہ تھا کہ "صدیق" ہی خلافت کا حقدار ہو گا۔؟ اس کا جواب ہم آئندہ لکھ رہے ہیں۔ ابھی آپ نظامی صاحب کے خیالات ملاحظہ کرتے جائیے۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں آراء میں سے درمیانی رائے کو متفقہ تسلیم کر لیا گیا اور عام امتِ محمدیہ نے قریش کے حق خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتخب کر لیا۔

اصولاً جب کہ حقِ امامت صدیقؓ کے لئے ہے تو پھر حق قریش یا رائے دہندگان کو انتخاب کا حق کیسے ملا؟ حالانکہ صدیق کا انتخاب خود قدرت نے کیا ہے۔ اور یہی وصی الرسولؐ ہے۔ یہ نکتہ بھی آگے زیر بحث آئے گا۔

پھر لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکر الصدیق کے خلیفہ مقرر ہونے کی وجہ سے اسلام اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کئی ایک بہتانوں سے بچ گئے۔ آج مسلمانوں میں اس امر پر سخت اختلاف ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنی وفات کے بعد کیوں اپنے بیٹے یزید لعین ابن معاویہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا۔ اور یہ واقعہ بھی زیر تنازعہ ہے کہ اس کی ابتدا خود حضرت علیؑ نے فرمائی۔ جب اپنی وفات کے بعد حضرت حسن کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اور اگر اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے بعد اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کو خلیفہ مقرر فرما دیتے۔ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ ان کی ذاتِ مقدس خود مسلمانوں یا غیر مسلمین کے اعتراضات

سے محفوظ رہتی یا کیا کچھ ہوتا۔ اس مصلحت کو خدا اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے تھے۔
سچی بات منہ پر آہی جاتی ہے کہ یہی وہ جذبۂ رقابت تھا جو لوگوں کے دلوں میں تھا۔ جیسے خود نبی اکرمؐ نے متعدد بار لوگوں کو جتایا۔ اور آپ نے کسی حاسد کی پرواہ نہ کی اور علانیہ فضائل اہلبیتؑ بیان کرتے رہے۔ لوگ جلتے رہے۔ مندرجہ بالا بیان بھی اسی چیز کی غمازی کرتا ہے کہ لوگ یہ نہ چاہتے تھے کہ خاندانِ نبوّت کو خلافت ملے۔ لیکن چونکہ یہ منصب خداوندی تھا لہٰذا جسے خدا نے چاہا عطا کر دیا۔ حکومت غصب کر لی گئی لیکن ولائیت جو عطیہ قدرت تھا برقرار رہی اور رہے گی۔

حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو خلیفہ مقرر کیا۔ لہٰذا یہ واقعہ بقول نظامی صاحب زیرِ تنازعہ آگیا۔ لیکن جب حضرت عمر نے عبداللہ بن عمر کو ممبر شوریٰ مقرر کیا تو کوئی اعتراض نہ کیا گیا۔ ہم قرآنی دلائل سے یہ بات ثابت کر دیں گے کہ موروثی خلافت غیر مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ سُنّت ربانی ہے۔ ابھی تک ہم صرف نظامی صاحب کی باتیں سُن رہے ہیں اور اپنی سُنانے کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

اس کے بعد نظامی صاحب نے لکھا کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی جو سراسر غلط ہے۔ اس کا جواب ہم آئندہ تحریر کریں گے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکر کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں انہوں نے عوام سے کہا ہے کہ "لوگوں نے اُن کو امیر بنا دیا ہے۔ اگر وہ راست راہ پر قائم رہیں تو ان کی مدد کی جائے اور اگر بھٹک جائیں تو اُن کی راہنمائی کر دی جائے۔" یہی خطبہ از خود ایک دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر عوام سے رہنمائی حاصل کرنے کی احتیاج رکھتے تھے۔ حالانکہ خدائی خلفاء دنیا کو ہدایت دیتے ہیں لیتے نہیں۔ انہیں اپنے منصب سے ہٹانا یا برقرار رکھنا سوائے خدا و رسولؐ کے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

اس کے بعد مؤلف نے لشکر اسامہ کی روانگی فتنہ وارتداد کے استحصال کے

ابواب میں حضرت ابوبکر کے دور کے واقعات بمطابق عقیدہ خود تحریر کئے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے کہ (۱) وعدہ استخلاف (۲) تمکین دین (۳) خوف کی جگہ امن قائم کرنا مندرجہ بالا تمام فرائض کو جس خوش اسلوبی اور جراءت ایمانی سے حضرت ابوبکر نے ادا فرمایا وہ کسی اور صحابی رسولؐ کی سوانح میں نظر نہیں آتا۔"

کیا واقعہ ایسا ہوا؟ اس کا جواب ہمارے بیان میں ملاحظہ کیجئے۔ مسٹر نظامی نے اپنے رسالہ کو استدعا کے عنوان پر ختم کیا۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا مسٹر محمد سلطان نظامی صاحب کے رسالہ "وصی رسول اللہ" کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا۔ جہاں ہم نے ضروری سمجھا عین مقام پر اس کا وضاحتی جواب لکھ دیا۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ مؤلف کے ہر اختلافی پہلو کو زیر بحث لایا جائے۔ اور اس پر مختصر لیکن کم از کم کافی جرح ضرور کی جائے لیکن چونکہ عنوان وہی لکھے گئے جو متنازعہ رسالہ میں تھے لہٰذا ہم موضوع سے نہ ہٹ سکے اور اپنا اظہار خیال آزادی و بے باکی سے نہ کر سکے۔ اس لئے اب ہم بطور صفائی اپنا بیان ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

اظہار خیال

گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور فریق مخالف نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ کہ "وصی الرسولؐ اللہ" کا تعین خود خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ اور سورۃ النساء کی آیت ۶۹ کے مطابق یہ امر فریقین میں مسلم قرار پایا کہ "وصی الرسولؐ اللہ" امت کا "صدیق" ہوتا ہے۔ ہم نے "وصی رسول آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کا تعین خود خالق کائنات نے فرمایا کے باب میں انتہائی معتبر اور ناقابل انکار شواہد سے یہ بات ثابت کی کہ صدیق امت محمدیہ جناب امیر علیہ السلام ہیں۔

اب ہم دوسرے رُخ پر روشنی ڈالیں گے اور ثابت کریں گے کہ حضرت

ابوبکر "صدیق" کیوں نہیں ہیں۔ اور شیعہ انہیں "وصیٔ رسول اللہ" کن وجوہات کی بنا پر تسلیم نہیں کرتے۔ علاوہ وجوہ کثیر کے چند وجوہات درج ذیل ہیں :۔

وجہ اوّل :۔ دعوت ذوالعشیرہ

قرآن مجید سورۃ الشعراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "اور ڈرائیے اپنے قریبی عزیزوں کو" چنانچہ آئت مبارکہ کے حکم کے مطابق تبلیغ رسالت کا آغاز "اقربین" سے ہوا۔ دعوت ذوالعشیرہ کا انعقاد کیا گیا۔ اور بحکم خدا اقربین کو مدعو کر کے پیغامِ حق سنایا گیا۔ حاضرینِ دعوت پر یہ علانیہ واضح کیا گیا کہ آج جو نصرت خدا و رسولؐ کا اقرار کرے گا۔ وہی خدا کے رسولؐ کا "وصیؑ" ہو گا۔ چنانچہ علمائے فریقین کا اتفاق ہے کہ اس دعوت پر سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے بیعت کیا۔ اور اس تصدیق میں کسی نے بھی حضرت علیؑ سے سبقت حاصل نہ کی۔ چنانچہ کتبِ اہلسنت میں مضبوط اسناد کے ساتھ ارشادِ پیغمبر یوں مرقوم ہے۔

"تحقیق یہ (علیؑ) میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں پس اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

(۱) کنز العمال جلد ۶، صـ ۳۹۶، صـ ۴۰۸، صـ ۳۹۷ حدیث ۶۰۰۸ اور ۶۰۵۶

(۲) مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صـ ۱۱۱ اور صـ ۲۳۱

(۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد ۱ الجز الثالث صـ ۱۶

(۴) تفسیر معالم التنزیل ابو الفراء لبغوی مطبوعہ مصر (برحاشیہ تفسیر خازن) جلد ۵ صـ ۱۰۵

(۵) تاریخ المختصر فی احوال البشر "ابو الفداء" مطبوعہ مصر جلد ۱، صـ ۱۱۹

نیز اسے ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے۔

نیز دیکھئے غیر مسلمین مورخین کی کتب (۱) اپالوجی فرام محمدؐ اینڈ قرآن موٴلفہ

ڈیون پورٹ صـ۸ (۲) ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ لیکچر دوم صـ۴۱ مولفہ مسٹر کارلائل ۔

رسالت مآبؐ کے اس اعلان کے بعد یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح آپؐ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اسی طرح وصائت علی علیہ السلام کا بھی خود ہی اعلان فرمایا۔ اب جو بھی رسالت محمدیہ کو تسلیم کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وصائت علویہ کو بھی مانے۔ "اقربین" کے لفظ پر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بہر حال حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کی نسبت آنحضرتؐ کے زیادہ قریبی تھے۔

اس کے برعکس ایسی کوئی حدیث حضرت ابوبکر کی شان میں وارد نہیں ہوتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کبھی بھی آپ کو اپنا "وصی" یا "خلیفہ" فرمایا ہو۔

وجہ دوم ۔ شرک

جس طرح کہ نبی اعلانِ نبوّت سے پہلے کی زندگی پاکبازی اور شرافت و صداقت سے گزارتا ہے حتیٰ کہ اس کے دشمن بھی اس کے کردار و افعال پر حرف دھرنے کی جرأت نہیں کر سکتے اسی طرح نائب نبی کی زندگی بھی انہیں خطوط کی تابع ہونا ضروری ہے۔ یعنی ہمارے ایمان کے مطابق جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کا وصی بھی معصوم ہے۔ اور اصول بھی یہی ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی بھی شرک نہیں کیا۔ اب "وصیٔ رسولؐ" بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ جو شرک سے محفوظ ہو۔ کیونکہ شرک کو نہ صرف اسلام میں نجاست کہا گیا ہے بلکہ ظلمِ عظیم ہے۔ اب حیاتِ مرتضوی اور تاریخ ابوبکر دونوں ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بارے میں تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آپ نے زندگی میں کبھی بھی غیر خدا کی پرستش نہیں کی۔ اس کے برعکس جب ہم حضرت ابوبکر کی زندگی کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے اُن کا اسم

شریعت زیر بحث آجاتا ہے کہ قبل از اسلام آپ کا نام ہی "عبدالکعبہ" تھا۔ یعنی "کعبے کا بندہ" جو اُن کے **عقیدۂ معبودیت** "کعبہ" کی غمازی کر رہا ہے۔ اور اس بات سے تو کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے قبل از اسلام بت پرستی کی۔ تو اس لحاظ سے یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ایک شخص جو چالیس برس غیر اللہ کی تصدیق کرتا رہا ہے وہ اس شخص سے کبھی افضل نہیں ہو سکتا جس نے دنیا میں سب سے پہلا کام دیدارِ رسولؐ کیا ہو۔ اور ساری زندگی کسی غیر خدا کے سامنے نہ جھکا ہو۔ بلکہ ولادت کعبۃ اللہ میں ہو اور شہادت مسجد میں۔

وجہ سوم :- اعلانِ پیغمبرؐ

گو نظامی صاحب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وصایتِ رسولؐ منصوص ہوتی ہے لیکن دوسری جانب مسلک اہلسنت کے مطابق محض عوام کے منتخب "خلیفوں" کو برحق ثابت کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ رسولِ خدا یہ واضح فرما کر نہیں گئے کہ اُن کا خلیفہ کون ہوگا۔ بلکہ یہ چیز عوام پر ہی چھوڑ دی گئی۔ لیکن ایسے عقیدے ہی کے لوگوں کی کتب سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ اعلانِ نبوت کے وقت سے وقتِ رحلت تک متعدد بار حضرت علی کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ہر وہ لفظ بزبانِ وحی ارشاد فرمایا جو مفہوم خلافت کے لئے مناسب تھا۔ یعنی "وصی" "مولیٰ"۔ "وارث" اور "خلیفہ"۔ علاوہ ازیں اپنا ہارون بھی قرار دیا۔

اس کے برعکس ہمیں کوئی مستند حدیث ایسی نہیں مل پاتی کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو کبھی کسی ایسے لفظ سے متعارف کروایا ہو۔ جو جامہ معنی خلافت زیب تن کرتا ہو۔ باوجود اس کے کہ مسٹر نظامی نے اپنی کتب سے کئی روایات فضائل ابوبکر میں نقل کیں۔ لیکن کوئی ایک بھی ایسی حدیث پیش نہ کر سکے جس سے اس بات کی تائید ہو سکے کہ رسول مقبولؐ نے حضرت ابوبکر کو خود "وصی" یا "خلیفہ" فرمایا ہو۔

ہارونِ محمدیؐ

جیسا کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سفر تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جناب امیرؑ کو عورتوں اور بچوں میں خلیفہ مقرر کیا گیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے خدمت رسولؐ میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میری خلافت عورتوں اور بچوں تک محدود ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ "تیری منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ دیکھیے (۱) صواعق محرقہ امام ابن حجر مکی مطبوعہ مصر صـ۸۱ (۲) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدث دہلوی صـ۵۰۵ (۳) صحیح بخاری جلد ۲ باب فضائل اصحاب النبی مناقب علی حدیث ۹۰۳ (۴) صحیح مسلم جز السابع باب فضائل علی (۵) مسند احمد بن حنبل جلد ۱ (۶) مشکوٰۃ باب مناقب علی حدیث ۵۸۲۶۔

اس فرمانِ رسولؐ سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ کو نبوت چھوڑ کر ہر وہ منزلت حاصل ہے جو بھی حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰ سے تھی۔ نظامی صاحب نے اس حدیث کے بیان میں چند باتیں تحریر کیں جو حضرت ہارونؑ اور حضرت علیؑ میں یکساں نہ تھیں۔ لیکن انہوں نے منزلت کے لفظ پر غور نہیں فرمایا۔ نیز انہوں نے جو یہ لکھا کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ نہ تھے۔ از روئے قرآن غلط ہے۔ اور یوشعؑ بن نون اسی صورت میں وصی بنائے گئے تھے جبکہ حضرت ہارونؑ نے وفات پائی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے عارضی طور پر خلیفہ چھوڑ گئے تھے۔ انہیں غور کرنا چاہیے کہ وقتی طور پر خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑنا کوئی ضروری نہ تھا جبکہ کسی جنگ اور سفر پر جاتے ہوئے پہلے کبھی مدینہ میں کسی اور کو خلیفہ نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ منشاء رسولؐ یہی تھا کہ لوگوں کو آپؐ کے

خلیفہ کا علم ہو جائے۔ اور پھر لفظ "بعدی" یعنی "میرے بعد" اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مولا علیؑ کی منزلت ہارونی عارضی یا وقتی نہ تھی بلکہ رسولؐ کے بعد بھی جناب امیرؑ اسی منزلت پر رہیں گے۔ جو سلب نہیں ہوگی۔

تبلیغ سورۂ برات

مشہور تفسیر اہل سنّت ابن کثیر صفحہ ۳۵۳ پر ہے کہ حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کی تبلیغ سے معزول کر دیا گیا پس جب حضرت ابوبکر واپس آئے تو عرض کیا کہ "حضورؐ میرے بارے میں کوئی خبر نازل ہوئی ہے؟" فرمایا "نہیں، یہ حکم ہوا ہے کہ سورۂ برات کی تبلیغ یا میں خود کروں یا وہ مرد کرے جو میرے اہلبیت سے ہو۔"

چنانچہ اس کام پر حضرت علیؑ کو مامور کر دیا گیا۔ اور اس موقع پر آنحضرتؐ نے خلافت جناب علیؑ کا اعلان یوں فرمایا۔

"علیؑ مجھ سے ہے وہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے۔ میرا "وارث" اور میرا "خلیفہ" ہے۔ میرے اہلبیت اور میری اُمّت میں میرے بعد" دیکھئے روائت اہلسنت حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد ۱ صفحہ ۲)

حضرت سید الانبیاءؐ کے فرمان میں لفظ "بعدی" یعنی "میرے بعد" اس امر کا مقتضی ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ کے بعد خلیفہ تسلیم کیا جائے۔ لفظ "وصی" اور وارث بھی اس امر کے مؤید ہیں۔

اس واقعہ پر تھوڑا سا غور کر لینے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے، کہ "وصی" رسولؐ کون ہے؟ اگر حضرت ابوبکر واقعی وصی رسولؐ ہوتے تو یہ ارشاد حضرت علیؑ کی بجائے حضرت ابوبکر کی شان میں ہوتا۔ نیز یہ اس بات کو بھی ثابت کر دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر اہلبیتؑ میں شامل نہ تھے۔

وجہ چہارم :- حدیثِ غدیر

آنحضرت ؐ آخری حج سے واپسی پر جب مقام خم غدیر پر پہنچے تو سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ "اے رسول ؐ۔ اس (پیغام) کو پہنچا دیجیئے جو آپ ؐ کی جانب آپ ؐ کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اور اگر آپ ؐ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کو نہیں پہنچایا۔ (اُن) لوگوں سے اللہ آپ کو بچائے گا۔"

اب یہ حکم جو رسول ؐ کو پہنچانے کے لئے ہدایت کی جا رہی ہے اشارہ ہے کہ سورہ الم نشرح کی آیت یعنی جب آپ فارغ ہو جائیں تو مقرر کر دیجیئے" (کی طرف) نیز اس حکم کا آخری جملہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول ؐ کو اس پیغام کے پہنچانے میں کچھ لوگوں سے خطرہ تھا۔

چنانچہ قرآن مجید کے اس اہم ترین حکم (جس کے نہ پہنچانے سے رسالت کو خطرہ ہے) کی تکمیل کے لئے رسولِ خدا نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے سامنے (جو حاجی تھے) ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت علیؑ کو ان تمام مخلوقات کا مولا قرار دیا جن کے آپ ؐ خود مولا ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا "پس جس جس کا میں مولا ہوں تو یہ علیؑ اس کا مولا ہے۔" رسولِ خدا کا یہ فرمان مندرجہ ذیل کتب اہلسنت میں موجود ہے :-

(۱) منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ؐ" نواب صدیق حسن بھوپالی (اہلحدیث) ص ۱۱۳ (۲) مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳ مناقب علی فصل ۲ حدیث نمبر ۵۸۳۰ (۳) جامع ترمذی باب مناقب علی ص ۶۱۶ (۴) مطالب السئول شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی ص ۵۵ (۵) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۷ (۶) تفسیر در المنثور سیوطی جلد ۲ ص ۲۵۹ (۷) سر العالمین امام غزالی مقالہ رابعہ ص ۹ (۸) مدارج النبوت عبدالحق محدث دہلوی جلد ۲ ص ۵۲۱

(۹) شواہد النبوۃ مولانا جامی صـ ۲۰۸ (۱۰) تاریخ الخلفاء سیوطی۔

امام ابن حجر مکیؒ نے صواعقِ محرقہ صـ ۲۵ پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

لفظ "مولا" کی تشریح

رسولِ خدا نے اپنے خطبہ میں حضرت علیؑ کو مولا قرار دینے سے پہلے خود مولا کا مطلوب معنی بھی سمجھا دیا۔ فرمایا "کیا میں تم لوگوں کی جانوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہوں؟" ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے عرض کیا "بے شک۔" تو حضورؐ نے فرمایا "جس کی جان پر اُس سے زیادہ میں صاحبِ اختیار ہوں۔ پس علیؑ اُس کی جان پر اُس سے زیادہ صاحبِ اختیار ہے۔" یہ معنی سمجھانے کے بعد پھر ارشاد فرمایا "میں جس کا مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔" دیکھیے کتاب "ینابیع المودۃ" مصنفہ مفتی اعظم قسطنطنیہ محمد سلمان حنفی بلخی جلد ۱ صـ ۱۱۵

لہٰذا ثابت ہوا کہ مقصودِ پیغمبرؐ علیؑ کو "حاکم" قرار دینا تھا۔ اور جو لوگ لفظ "مولا" کے معنی دوست کرتے ہیں وہ درست نہیں۔

مروی ہے کہ جب حضرت علیؑ کو مولا قرار دیا گیا تو اسی وقت صحابہ میں مشہور صحابی رسولؐ حضرت حسان بن ثابت نے حضرت علیؑ کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ علامہ اہلِ سنّت سبطِ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الخواص الائمۃ" میں تحریر کیا ہے۔ اُس میں یہ اشعار قابلِ غور ہیں۔

"پس رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا "اے علیؑ کھڑا ہو جا۔ پس تحقیق میں نے تجھے پسند کیا۔ بعد کے لیے امام (پیشوا) اور "ہادی"۔"

پس رسولؐ نے تمام مخلوقات کو چھوڑ کر اس (پیشوا اور ہادی کے منصب کے لیے) حضرت علیؑ کو مخصوص کیا۔ انہی کا نام "وزیر" برادر رکھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حسان بن ثابت صحابی رسولؐ نے مولا کے معنی "امام"

"ہادی" "وزیر" پیغمبر کے سامنے بیان فرمائے اور حضورؐ نے تردید نہ کی۔ اگر پیغمبر کا منشا محض "دوست" قرار دینا ہوتا تو حضورؐ فوراً اصلاح فرمادیتے۔ لہٰذا حدیث کی تیسری قسم[1] "تقریر رسولؐ" کے مطابق مولا کے معنی دوست ثابت نہیں ہوتے۔

حضرت عمرؓ کی مبارکبادی

خطبۂ رسولؐ کے بعد حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو یوں مبارک باد پیش کی:۔

"مبارک مبارک، آپ کو اے فرزندِ ابوطالب! کہ آپ نے ایسی صبح اور ایسی شام کی (یعنی آج کا دن آپ کے لیے ایسا آیا) کہ آپ میرے مولا ہوئے اور تمام مومن مرد اور تمام مومن عورتوں کے مولا ہوگئے۔"

حضرت عمر کے یہ الفاظ مشکوٰۃ باب مناقب علیؑ اور سر العالمین امام غزالی مقالہ رابعہ صہ۹ میں موجود ہیں۔ بقول حضرت عمرؓ "مولا" کا مقام جناب امیرؑ کو اُسی روز حاصل ہوا تھا پہلے نہیں۔ حالانکہ حضرت علیؑ مومنین و مومنات کے دوست تو شروع ہی سے تھے۔ لہٰذا مولا کے معنی دوست کے نہیں۔ بلکہ جانوں پر صاحبِ اختیار حاکم ہے۔ یعنی بعد از رسولؐ منصب ہدایت پر فائز مخلوقات کا امام اور پیغمبر کا نائب۔

علامہ سبطِ ابنِ جوزی نے تذکرہ خواص الامہ کے صہ۲ پر مولا کے معنی دوست لکھنے کی بجائے تحریر کیا ہے کہ یہ لفظ "مولا" حضرت علیؑ کی امامت کے اثبات اور آپ کی اطاعت قبول کرنے کے بارے میں نص صریح ہے۔

امام غزالی نے حضرت عمر کے الفاظ "مبارک مبارک" کو تسلیم و رضا و تحکیم"

---

[1] جو بات رسولؐ کے سامنے کی جائے اور آپؐ منع نہ کریں اصولِ حدیث میں اُسے جائز مانا جاتا ہے اور ایسی حدیث اس قسم میں بیان کی جاتی ہے۔

تحریر کیا ہے۔ (دیکھئے سر العالمین و کشف غانی الدارین مقالہ رابعہ ص۹

دستار بندی

مولاؑ کا اعزاز حضرت علیؑ کو محض زبانی عطا نہ کیا گیا بلکہ عملاً خود سرکارِ رسالتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کے سر مبارک پر دستار باندھ کر اپنا ولی عہد مقرر فرمایا۔ یہ دستار بندی ثابت کرتی ہے کہ آپؐ نے بحکمِ خدا ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے جلسہ عام میں اعلانِ وصایتِ علیؑ فرمایا۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں کنز العمال جلد ۸ ص۶۰، ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ ص۲۱۷ وغیرہ۔

حرث فہری کا واقعہ تصدیقِ حدیثِ غدیر ہے

حدیثِ غدیر کی صداقت کی تائید از خود قرآن مجید میں صریحاً موجود ہے۔ سورۂ معارج پ۲۹ رکوع ع۶ میں ارشاد ہے کہ "ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا جو منکروں کے لئے واقع ہونے والا ہے۔ کوئی شخص اس کو روکنے والا نہیں" چنانچہ مشہور علامہ اہلحدیث نواب صدیق حسن بھوپالی اپنی تفسیر فتح البیان جلد ۱۰ ص۴۸ پر یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حدیثِ غدیر جب اطراف میں پھیل گئی تو حرث بن نعمان فہری خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اور حضورؐ سے یوں کلام کیا "یا محمدؐ! آپ نے ہم لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے کا حکم دیا۔ ہم نے مان لیا۔ پھر آپؐ نے نماز پنجگانہ کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ پھر آپؐ نے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ پھر آپ نے حج اور اپنے اموال کی زکواۃ دینے کا حکم دیا۔ وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ اس پر بھی آپؐ راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ آپؐ نے اپنے چچا کے بیٹے (علیؑ) کے بازو کو بلند کر کے اس (علیؑ) کو تمام انسانوں پر فضیلت دے دی۔ اور آپ نے کہہ دیا کہ "جس کا میں مولا ہوں اس کا علی (بھی) مولا ہے" یہ حکم آپؐ

کی جانب سے ہے یا اللہ کی جانب سے ہے؟"

حرث کی یہ گفتگو سن کر حضرت رسولِ خدا کی آنکھیں غضب سے سرخ ہو گئیں۔ اور حضورؐ نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے۔ میری جانب سے نہیں"۔ حضورؐ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا تو حرث کھڑا ہو گیا اور یہ کہتا ہوا چلا کہ "جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں اگر یہ حق ہے تو اے اللہ ہم پر آسمان سے پتھر بھیج یا کوئی اور دردناک عذاب پہنچا"۔ راوی کا بیان ہے کہ "پس قسم خدا کی حرث اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ نے اسے آسمان سے پتھر مارا جو اس کے سر پر لگا اور وہ دُبر سے نکل گیا۔ حرث وہیں مر گیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حرث بھی توحید و رسالت کا قائل۔ نمازی، صحابی، روزہ دار مسلمان تھا۔ عربی اس کی مادری زبان تھی۔ اس نے "مولا" کے معنی دوست نہیں سمجھے اسی لئے کہا کہ "آپؐ نے علیؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دے دی"۔ اور آنحضرتؐ نے بھی اس کے بیان کردہ مفہوم کی تردید نہ فرمائی۔ بلکہ اللہ کی قسم کھا کر فرما دیا کہ "یہ حکم منجانب اللہ ہے"۔ اور تین مرتبہ تاکیداً فرمایا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مولا کے معنی دوست مقصود نہ تھے۔ بلکہ "حاکم" تھے جسے حرث تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

قرآنِ مجید حدیثِ غدیر کا مصدق ہے

رسول مقبولؐ کوئی بات اپنی طرف سے خدا سے منسوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ کی عصمت و طہارت کا ذمہ خود پروردگار نے ان پُرزور الفاظ میں کی ہے:۔

"اگر رسولؐ کسی بات کو یوں ہی ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالتے"۔ قرآن مجید $\frac{69}{43-46}$

اس بیان کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو حضرت علیؑ کی ولایت کا حکم

منجانب اللہ مکمل طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حشرؔ نے وضاحت چاہی تو آپؐ نے صاف الفاظ میں اِس حکم کو اللہ سے منسوب کر دیا۔ اور وہ معذّب ہوا۔ اور خُدا نے رسولؐ کے ارشاد کی نفی نہ کی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ حکم ربانی تھا اور اس حدیث کی تصدیق آیتِ محوّلہ بالا سے ہو جاتی ہے۔

خُطبۂ غدیر میں الفاظ "وصیؑ" اور "خلیفہ"

علمائے اہلسنت تسلیم کرتے ہیں کہ اعلانِ ولائتِ علیؑ کے بعد سورۃ المائدہ کی یہ آیت اُتری کہ "آج میں نے مکمّل کر دیا تمہارا دین اور تم پر پورا کر دیا اپنی نعمت کو اور میں راضی ہوا کہ اسلام تمہارا دین مانا جائے"۔ اس تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت پر خوش ہو کر سرکارِ رسالتؐ نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا تو صحابیٔ رسولؐ حضرت سلمان فارسیؓ نے کھڑے ہو کر سوال کیا "یا رسول اللہؐ! کیا یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی؟" حضورؐ نے فرمایا۔

"بے شک علیؑ اور میرے قیامت تک کے اوصیاء کی شان میں نازل ہوئی"۔

پس حضرت سلمانؓ نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے انہیں بیان فرما دیجیے کہ وہ اوصیاء کون ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔

"اُن کا اوّل علیؑ ہے اور وہ میرا بھائیؑ، میرا وصیؑ، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے۔ پھر حسنؑ پھر حسینؑ اور پھر حسینؑ کی اولاد میں سے نو ہونگے۔"

ملاحظہ ہو مفتی اعظم اہلسنت والجماعت علامہ محمد سلیمان قندوزی۔ حنفی۔ نقشبندی کی تصنیف کردہ کتاب "ینابیع المؤدۃ" جلد ۱ صـ ۱۱۵

لفظ وصی کے استعمال کا مزید ثبوت دیکھئے مروّج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صـ ۷۵، شواہد النبوۃ مولانا جامی صـ ۱۶۴

مندرجہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوا کہ مقام خُم غدیر پر رسولؐ نے حضرت علیؑ کو دوست کے معنی میں نہیں بلکہ وصی و خلیفہ کے معنی میں "مولا" فرما کر دستارِ ولی عہدی باندھی تھی۔ حضرت عمر نے ان کے حاکم ہونے پر مبارکباد پیش کی تھی۔ اور حشر کے انکارِ ولائت پر عذاب نازل کیا گیا تھا۔ نیز اسی موقع پر حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک بارہ اوصیاء کی خبر بھی دے دی تھی۔

یہ ایک ایسی وجہ ہے جس کی بنا پر حضرت علیؑ کو "وصی" تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ زمانۂ رسالت میں حضرت ابوبکر کو ایسا موقع میسّر نہ آسکا۔ کہ یوں لاکھوں کے اجتماع میں دستارِ ولائت باندھی جاتی۔ اور قصائد خوانی ہوتی۔ اور اکابرین ہدیہ مبارکباد پیش کرتے۔

وجہ پنجم:۔ "سنّتِ الہیہ"

حضرت ابوبکر کو "وصی" تسلیم نہ کرنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ زمانہ پیدائش سے لے کر آج تک کسی بھی نبی کا ولی عہد و جانشین اُن کا کوئی سُسر یا سالا یا کوئی بڈھا دوست یا صحابی مقرّر نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ بیٹا یا بھائی وغیرہ ولی عہد ہوا ہے۔ اللہ کی سنّت نا قابلِ تبدیل ہے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر کی خلافت خلافِ سنّتِ الہیہ قرار پاتی ہے۔ ہر نبی کا وصی معصوم مقرّر کیا گیا ہے۔ لیکن

حضرت ابوبکر معصوم نہ تھے۔ نیز تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اصحاب کی ایک جماعت نے منتخب کر کے تخت نشین کرایا۔ جیسا ہم آئندہ تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ حالانکہ دیگر انبیاء کے اوصیاء کے لیے کوئی انتخاب کنندہ جماعت قائم نہ کی گئی۔ اور نہ ہی کوئی انتخاب منعقد کیا گیا۔

وجہ ششم "جہاد"

ہم نے گذشتہ اوراق میں چند روایات از کتب اہلسنت نقل کی ہیں جو حضرت ابوبکر کے مغازی سے فرار پر کچھ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا میدانِ جنگ سے مفرور از روئے قرآن مجید نہ ہی صدیق قرار پا سکتا ہے اور نہ ہی وصی۔ اب رہا یہ سوال کہ لوگ کہتے ہیں حضرت ابوبکر ہر جنگ میں نبرد آزما رہے تو ان کی خدمت میں ایک گذارش ہے۔

گذارش یا چیلنج

اگر حضرت ابوبکر غزوات میں جہاد فرماتے رہے تو یقیناً کچھ کفار ان کی تلوار سے واصلِ جہنم ہوئے ہوں گے۔ لہٰذا از راہِ مہربانی کسی بھی معتبر تاریخی حوالہ سے ہمیں ان لوگوں کے نام بتا دیئے جائیں جو حضرت ابوبکر کے ہاتھوں کام آئے۔ ورنہ ان صاحب کی معرکہ آرائی پر ہم کو غلط فہمی ہی رہے گی۔

وجہ ہفتم:- غضب بتولؑ

حضرت ابوبکر کو صدیق نہ تسلیم کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سیدہ طاہرہؑ ان پر راضی نہ تھیں۔ بلکہ سخت غضبناک تھیں۔ آپ کا عالی مقام کسی سے بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ کیا کائنات میں کسی کو بھی یہ شرف نصیب ہوا کہ جب کبھی بھی جناب بتولؑ

خدمت والد گرامی قدر میں حاضر ہوتی حضورؐ خود استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور فرمایا کرتے کہ فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا جس نے اسے غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔ اور رسولؐ کا غضب خدا کا غضب ہے۔ یعنی جن پر بھی جناب فاطمہؑ غضبناک ہو گئیں وہ مغضوب خدا قرار پا گیا اور مغضوب خدا کبھی بھی "صدیق" نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ابھی ہم کتب اہلسنت ہی سے ثابت کرتے ہیں کہ جناب سیدہ حضرت ابوبکر پر ناراض تھیں لہٰذا خدا بھی خوش نہ ہو گا۔ اور پھر عہدۂ صدیقیت کا جواز کیا باقی رہ جائے گا؟

شرائطِ خلافت از روئے قرآن الحکیم

خلیفۃ اللہ یا وصی رسول اللہ کے لیے قرآن مجید حسب ذیل معیار مقرر کرتا ہے۔

شرطِ اوّل

خلیفہ برحق کا تقرر خدا خود فرماتا ہے اور وہ اجتماعی نہیں ہوتا

ارشادِ خداوندی ہے کہ "جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک "خلیفہ" بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین پہ ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد و خونریزی کرے۔ بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ تیری حمد کے ساتھ۔ خدا نے فرمایا تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں اور آدم کو "اسماء" بتا دیئے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور اُن سے

پوچھا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان ناموں کو بتلا دو۔ فرشتے بولے۔ تیری ذات پاک ہے۔ جو تو نے ہمیں بتلا دیا اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ تحقیق تو ہی بڑا جاننے والا ہے اور مصلحتوں کو پہچاننے والا ہے۔ پھر حضرت آدم کو حکم دیا گیا کہ ان کے نام بتلا دے۔ پھر جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان کے نام بتلا دیئے تو خدا نے فرشتوں سے فرمایا۔ کیوں؟ ہم نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں۔ اور جو کچھ تم اب ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے وہ ہم کو سب معلوم ہے۔ (پ ا سورۃ البقرہ رکوع ۴)

بیانِ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو خدا نے خود خلیفہ مقرر کیا اور انہیں علم لدنی عطا فرما کر فرشتوں پر فوقیت بخشی۔ فرشتوں جیسی مخلوق کے اجماع و مشورہ کو مسترد کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ شرطِ عبادت کو بھی نامنظور فرمایا اور علمی فضیلت کو معیارِ خلافت قرار دیا۔ جب معصوم و پاک فرشتوں کے اجماع کو قبول نہ کیا گیا ہو تو غیر معصوم انسان کیسے اجماع کر کے کسی کو خلیفہ بنا سکتے ہیں۔ پس قرآنی حکم کے تحت خلیفہ کے تقرر کا حق صرف خدا ہی کو ہے۔

چنانچہ اس شرط کے مطابق اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کا تقرر منجانب رب العزت ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں واقعہ غدیر خم ایک ایسی دلیل ہے جس کا انکار کرنا ناممکن ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر کو چند لوگوں نے خلیفہ مقرر کیا۔

حضرت ابوبکر خلیفہ کیسے بنے؟

صحیح بخاری پ ۱۴ کتاب المناقب باب فضل ابوبکر بعد النبیؐ ص ۲۱ پر ہے:

"ام المومنین بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوا۔ حضرت ابوبکر "سنح" میں تھے (مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل دور ہے) عوالی کے ایک گاؤں میں عمر آپ کی خبر سن کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم حضور صلعم مرے نہیں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عمر کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم میرے دل میں یہی آتا تھا کہ اللہ آپ کو اس بیماری سے ضرور صحت یاب کرے گا۔ اور آپ صلعم ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں قلم کریں گے۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور انہوں نے اندر جا کر آنحضرت پر سے کپڑا اُٹھایا آپ کو بوسہ دیا۔ کہنے لگے میرے ماں باپ آپ صلعم پر فدا آپ صلعم زندگی اور موت دونوں حال میں اچھے اور پاکیزہ ہیں قسم ہے اُس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ آپ کو موت کا مزہ نہیں چکھلائے گا۔ پھر باہر نکلے اور عمر سے کہنے لگے قسم کھانے والے ذرا تامل کر۔ جب ابوبکر نے بات کرنا شروع کی تو عمر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اللہ کی تعریف و ثنا بیان کی۔ پھر کہا لوگو! دیکھو اگر کوئی محمد صلعم کو پوجتا تھا تو محمد صلعم مر چکے۔ اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے۔ کبھی مرنے والا نہیں۔ اور ابوبکر نے سورۃ الزمر کی آیت پڑھی "اے پیغمبر تو بھی مرنے والا ہے وہ بھی مریں گے اور محمد صلعم سوائے اس کے کچھ نہیں کہ پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے کئی پیغمبر گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ کا شکر کرنے والے کو شکر کا بدلہ دے گا۔ لوگ چیخیں مار کر رونے لگے

لہ صحابہ کرام کا حضور صلعم کی وفات پر رونا ثابت ہے۔ پھر شیعوں کا رونا موجب اعتراض کیوں ہے؟ اور "میت پر رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے" والی حدیث کی کیا حقیقت رہ گئی ہے؟

اور انصار سب سعد بن عبادہ کے گھر اکٹھے ہو گئے۔

بنی سعدہ کے چھتے میں اور مہاجرین سے کہنے لگے اب ایسا کرو کہ ایک امیر ہماری قوم کا ہے اور ایک تمہاری قوم کا۔ دونوں مل کر حکومت کریں۔ انصار کی خبر سن کر ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ بن جراح وہاں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے بات کرنا چاہی۔ لیکن ابوبکر نے کہا ذرا خاموش رہو۔ حضرت عمر کہا کرتے تھے۔ میں نے جو اس وقت ابوبکر سے پہلے بات کرنا چاہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ایک عمدہ تقریر[1] سوچ رکھی تھی میں ڈرتا تھا کہ کہیں ابوبکر اس کو بیان نہ کر سکیں لیکن ابوبکر نے باتیں شروع کیں تو نہایت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ انہوں نے انصار سے یہ کہا کہ امیر تو ہم ہی یعنی قریش کے لوگ رہیں گے۔ تم لوگ وزیر اور مشیر ہو سکتے ہو۔

حباب بن منذر نے کہا "ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک تمہارا۔"

حضرت ابوبکر نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا ہم امیر رہیں گے تم وزیر ہو۔ کیونکہ قریش کے لوگ سارے عرب میں شریف خاندان اور ان کا ملک یعنی مکہ عرب کے بیچ میں ہے۔ تو ایسا کرو تم کو اختیار ہے کہ یا تو عمر سے بیعت کر لو یا ابو عبیدہ بن جراح سے۔"

حضرت عمر نے یہ سن کر کہا۔ "واہ آپ کے ہوتے ہوئے تو ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب میں افضل ہیں۔ اور آنحضرتؐ کو آپ سے ہم سے

---

[1] عمدہ تقریر کا پہلے ہی سوچ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سارا واقعہ اتفاقیہ نہ تھا۔ بلکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔

زیادہ محبت تھی"۔ خیر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ تھاما۔ اُن کی بیعت کی۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ اب ایک شخص کہنے لگا "تم نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا" حضرت عمر نے کہا "اللہ انہیں تباہ کرے"۔

غور طلب امور

روائت بالا کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں :۔

(ا) حضرت ابوبکر تیمارداریٔ رسولؐ میں شامل نہ تھے اور وقت وفات اپنے مکان کو تشریف لے گئے تھے۔ نیز آپ حضورؐ کی تجہیز و تکفین میں بھی شامل نہ ہوئے۔ بلکہ بقول صحیح بخاری سقیفہ بنی ساعدہ میں اقتدار کے پیچھے چل دیئے۔

(ب) خلافت حضرت ابوبکر منصوص من اللہ و رسولؐ نہ تھی۔ اگر وہ خدائی خلیفہ ہوتے تو سقیفہ میں جانے اور وہاں جھگڑا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

(ج) اگر حضرت ابوبکر منصوص خلیفہ ہوتے تو حضرت عمر یا ابوعبیدہ کی بیعت کا تذکرہ نہ کرتے بلکہ اپنا حقِ خلافت بیان کرتے۔ اور اس حق کی تائید میں نصوصِ خلافت پیش کر کے لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے۔

(ح) خلافت کے بارے میں حضرت ابوبکر نے اپنا استحقاق خلافت بطور فردِ خاندانِ قریش کیا۔ جبکہ خاندانِ قریش کے سردار قبیلہ "بنی ہاشم" کو اس بارے میں کوئی خبر نہ دی گئی۔ اگر خلافت قریش کا حق تھا۔ تو پھر بنو ہاشم کو اس معاملہ میں نظر انداز کیوں کیا گیا۔ اُن سے رائے کیوں نہ لی گئی۔

(د) خاندانِ رسالت میں سے کسی بھی فرد کو اس اہم ترین مسئلہ میں حقِ رائے دہی نہ دیا گیا۔ بلکہ یہ سارا معاملہ اس طریقے سے خود ہی کر لیا گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ میت رسول کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر مسند نشینی کا فیصلہ کرنا کیوں ضروری تھا تو لوگ جواب دیتے ہیں کہ یہ حالات کا تقاضا تھا کہ پہلے امیر کا انتخاب کیا جائے کیونکہ بیرونی طاقتوں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اگر یہ شبہ درست قرار دیا جائے تو میں ہر عاقل فرد سے سوال کروں گا کہ ایسے حالات میں "دارالحکومت" کو چھوڑ دینا کیا سیاسی یا اخلاقی لحاظ سے مستحسن ہوگا؟ جبکہ خطرات ہر سُو متوقع ہوں؟ یقیناً نہیں۔ مرکز کو ایسے میں خالی کر دینا بعید از دانش ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امارت کا مسئلہ مندرجہ بالا وجہ کے باعث تدفین رسول سے ضروری تھا بالکل غلط ہے۔ اگر ایسا تھا تو اسے مرکز میں رہ کر حل کرنا بھی ضروری تھا۔ نہ کہ دارالسلطنت سے دور جا کر۔ کیونکہ دارالحکومت کو خالی پا کر دشمن بڑی آسانی سے اپنے منصوبہ کو کامیاب بنا سکتے تھے۔

لہٰذا مندرجہ بالا بیان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت ابوبکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا نہ کہ وہ منجانب خدا تھے۔ جبکہ حضرت علیؑ کو جناب رسولِ مقبولؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد اصحاب کی موجودگی میں بحکم خدا تاجِ خلافت پہنایا اور خود حضرات شیخین نے آپ کی بیعت کی مگر بعد از رسولؐ اسے توڑ ڈالا۔

شرطِ دوم: خلیفہ یا امام عالمِ علمِ لدنی ہوتا ہے

شرطِ اوّل کے ذیل میں ہم نے از روئے قرآن مجید تحریر کیا ہے کہ جب فرشتوں نے اپنی عبادت ظاہر کر کے خلافتِ الٰہیہ پر حق جتانا چاہا تو اللہ نے طرفین سے (فرشتوں اور آدمؑ سے) علمی فضیلت کا

امتحان لیا جس میں آدمؑ کامیاب ہو گئے۔ پس ثابت ہوا کہ جو بزرگ علمی لیاقت و فضیلت میں سب سے اعلیٰ ہو گا وہی خلیفۃ اللہ۔ امام الناس اور وصی رسول اللہ ہو سکتا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بعد از رسولؐ سب سے بڑے عالم لدنی و فاضل و قاضی شریعتِ محمدیہؐ تھے۔ چنانچہ رسالت مآبؐ نے آپ کو "علم کا دروازہ" "حکمت کا باب" جیسے القاب بخشے۔ خود جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "مجھ سے سوال کرو۔ قسم ہے خدا کی جس کی بابت پوچھو گے میں تم کو خبر دوں گا۔ اور مجھ سے قرآن شریف کی بابت پوچھو اللہ کی قسم میں ہر ایک آیت کو جانتا ہوں۔ کہ آیا وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں یا پہاڑ پر۔ (تفسیر اتقان جلد ۲ صـ ۱۸۷ اہلسنت ارجح المطالب)

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا "مجھ سے آسمانوں اور زمینوں کی بابت پوچھو۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں چاہوں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ایسی کروں کہ کئی اونٹوں کا بوجھ ہو جائے۔ اور اگر میرے واسطے فرش بچھایا جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہلِ توریت کے فیصلے توریت سے دوں اہلِ انجیل کے فیصلے انجیل سے اہلِ زبور کے زبور سے اور اہلِ قرآن کے قرآن سے۔ اللہ کی قسم کوئی ایسی آیت نہیں جو جنگل میں یا بحر میں یا میدان یا پہاڑ یا چٹان زمین میں یا آسمان، رات میں یا دن میں اُتری ہو اور میں نہ جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس کی شان میں نازل ہوئی۔ (روائت اہلسنت مطالب السئول صـ ۲۶)

حضرت عمر اکثر کہا کرتے تھے کہ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" اور جب حضرت عمر حضرت علیؑ سے پوچھتے تو اُن کے جواب سے خوش ہو جاتے۔ اور فرماتے

"تیرے بعد یا علیؑ خدا زندہ نہ رکھے۔" (ارجح المطالب ۲۰ - اہلسنّت)

حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میرا دشمن بھی دین کے معاملات میں مجھ سے استفتاء کرتا ہے۔" (تاریخ الخلفاء سیوطی ص۹۵ روایتِ اہلسنّت)

رسولِ خدا نے فرمایا کہ "میرے بعد ساری امّت سے زیادہ عالم علیؑ ہے۔" (منتخب کنز العمال حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲)

ام المومنین جناب امّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ جب تک یہ دونوں حوض کوثر پر نہ آجائیں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔" (طبرانی ابن مردویہ۔ دیلمی کنز العمال۔ ارجح المطالب۔ صواعق محرقہ ص ۱۲۱)

جناب امیر علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ خود اصحابِ ثلاثہ ہمیشہ آپ کے قضایا کے محتاج رہے۔ اور آپ کی ذی علمی کا اعتراف کرتے رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بعد از رسولؐ حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ اس لئے وہ شرطِ دوم کے حامل ہوتے ہوئے خلیفہ برحق ہیں۔

علمِ ابوبکر

ہمیں افسوس ہے کہ کتب اہل سنّت میں جس قدر احادیث دربارۂ علم جناب امیر علیہ السّلام ملتی ہیں کسی دوسرے صحابی کے لئے نہیں ملتیں۔ نیز حضرت ابوبکر کے علمی مرتبہ کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل روایات سے بخوبی کر لیں گے جو کتبِ اہلسنّت ہی سے نقل کی جا رہی ہیں:۔

قبضہ بن ذویب سے روایت ہے کہ میّت کی نانی ابوبکر کے پاس میراث مانگنے کو آئی۔ ابوبکر نے کہا اللہ کی کتاب میں تیرا کچھ حصّہ نہیں۔ نہ میں نے

رسولؐ سے اس بات میں کوئی حدیث سُنی ہے۔ تو جا۔ میں لوگوں سے پوچھ کر دریافت کروں گا۔ ابوبکر نے لوگوں سے پوچھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا میں اس وقت موجود تھا میرے سامنے رسولؐ اللہ نے نانی کو ۱/۶ (چھٹا) حصہ دلوایا ہے ابوبکر نے کہا اور بھی کوئی تمہارے ساتھ ہے جو اس معاملے کو جانتا ہو۔ تو محمد بن مسلم انصاری کھڑے ہوئے اور جیسا مغیرہ بن شعبہ نے کہا تھا ویسا ہی بیان کیا۔ ابوبکر نے چھٹا حصہ اس کو دلایا۔

(روایت اہلسنت کشف المغطا عن کتاب الموطا۔ میراث الجدہ ص۵۰۴ وازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۳۱ الحجۃ البالغہ ص۱۴۶ صواعق محرقہ ص۲۰)

ابوعبیدہ نے فضائل میں ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے ابوبکر سے اللہ کے فرمان "وفاکھتہ وابا" کے معنی پوچھے گئے۔ تو اس نے کہا۔ "کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے۔ میں اللہ کی کتاب میں کچھ کہوں جو نہیں جانتا ہوں"۔ (تفسیر اتقان جلد ۱ ص۱۱۵)

حضرت ابوبکر باوجود خلیفہ کہلوانے کے شک میں رہے کہ خلافت کس کا حق ہے اور میراثِ پھوپھی و بھتیجی سے ناواقف تھے۔

(روایت اہلسنت بحوالہ تاریخ طبری جلد ۴ ص۵۲)

ان حالات میں جب کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت علیؑ کا علمی درجہ حضرت ابوبکر سے بلند ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ابوبکر کو حضرت علیؑ پر فوقیت دی جائے۔ اور انہیں باوجود فقدان شرطِ علمِ لدنی کے وصی رسول مان لیا جائے۔

شرط سوم

خلیفۃ اللہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع بھی ہوتا ہے

خلیفہ ربّانی نہ صرف عالم و فاضل ہوتا ہے بلکہ اس کا شجاع ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ "پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے تم پر حکمرانی کے لئے اس کو پسند کیا ہے۔ اور مال و دولت میں نہیں تو علم میں اور جسم میں اس کو زیادتی بخشی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑا واسع اور علیم ہے۔" (پارہ ۲ سورۃ البقرہ۔ رکوع ۳)

اس ارشاد کا سیاق و سباق یہ ہے کہ اللہ نے حضرت طالوتؑ کو بادشاہ بنایا تو بنی اسرائیل نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ طالوتؑ کو مال و دولت میں ہم پر فوقیت نہیں ہے۔

لہٰذا اس موقع پر بھی اللہ نے جمہوری رائے مسترد کرتے ہوئے علم و جسامت کو معیارِ نیابت قرار دیا۔ اور لوگوں کا اجماع اور شوریٰ خدا نے پسند نہ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ امورِ الٰہیہ میں نہ اجماع کی ضرورت ہے اور نہ ہی شوریٰ کی احتیاج بلکہ خلیفہ خداوندی کے لئے علم و شجاعت ضروری ہے سو جناب علی علیہ السلام میں یہ شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس لئے وہ خلیفہ رسولؐ اللہ ہیں۔ تمام علماء کرام شیعہ و سُنّی کا اتفاق ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا ہیں۔ یہ درجہ کسی اور صحابی رسولؐ کو نہیں ملا۔ آپ کی شجاعت مسلّمہ ہے اور کبھی بھی اس صفت میں اختلاف نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے برعکس حضرت ابوبکر حضرت علیؑ سے زیادہ شجاع نہ تھے۔ آپ کو رسول اللہؐ نے کرار غیر فرار" کے القاب عطا کیے۔ دیکھیے مسند احمد نسائی کنز العمال۔ روضۃ الصفا۔ ارجح المطالب۔ ینابیع المودۃ۔ ترمذی وغیرہ۔ لیکن حضرت ابوبکر کے متعلق کتب اہل سنت میں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میدانِ کارزار میں اکثر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ کچھ روایات ہم پچھلے صفحات میں نقل کر چکے ہیں ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل اور بھی۔

خصائص نسائی ص۱۱ اور ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث ص۴۹ پر ہے کہ "حضرت ابوبکر نے جنگِ خیبر میں شکست کھائی۔"

غزوہ تبوک کے بعد وادی الرمل میں عرب لوگ اکٹھے ہونے لگے تو اور مدینہ منورہ پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ جناب سرور دو عالمؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر روانہ کیا۔ مگر وہ بہت مسلمانوں کو قتل کرو اکر شکست کھا کر واپس آئے ...... (دیکھیے تاریخ حبیب السیر معارج النبوۃ روضۃ الصفا)

"جنگِ خندق کے موقع پر حضرت ابوبکر نے باوجود فرمانِ رسولؐ خدا کے دشمنوں کی خبر لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور استغفر اللہ پڑھ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت حذیفہ یمانی دشمنوں کی خبر لائے۔"

دیکھیے علامہ اہل سنت کی تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی جلد۵ ص۸۵ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص۲۶۲ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص۶۹ کنز العمال جلد ۵ ص۲۷۹۔

ان واقعات کی موجودگی میں اس نتیجہ پر پہنچنا بالکل آسان ہو جاتا

ہے کہ حضرت علیؑ کو شجاعت میں حضرت ابوبکر پر فوقیت اولیٰ حاصل تھی اس لئے وہ وصیٔ رسولؐ برحق ہیں۔

شرط چہارم

"ظالم" خلیفۃ اللہ و وصیٔ رسولؐ اللہ نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ برحق کے لئے ضروری ہے وہ ظالم نہ ہو۔ جیسا کہ اعلان قدرت ہے کہ "جب ابراہیمؑ کو اُن کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ اور انہوں نے اُن کو پورا کر دیا تو خدا نے راضی ہو کر فرمایا کہ "ہم تمہیں لوگوں کا امام بنانے والے ہیں"۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا "اور میری اولاد میں سے؟" فرمایا "ہاں۔ مگر ہمارا یہ عہد ظالموں کے لئے ہرگز نہیں ہوگا"۔

حضرت خلیل اللہ، عبد نیک و نبی صدیق تھے۔ مگر اللہ نے آزمائش کے بعد انہیں درجہ امامت بخشا۔ اور قانون باندھ دیا کہ ظالم امام نہیں ہو سکیں گے بلکہ عادل اور معصوم نائب ہوں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوا۔ اِدھر تو حضرت اسحاقؑ بن ابراہیمؑ میں امامت و نبوت جاری کی اور اُدھر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں خاندانِ بنی ہاشم میں سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نبوت و امامت عطا کی اور ان کی ذریت طاہرہ میں سے حضرت علیؑ سے لے کر حضرت امام مہدیؑ تک بارہؑ امام معصوم سادات پیدا کر کے ان کو امامت عطا کی۔ جن کی امامت کا تقریباً ہر مومن قائل ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکر معصوم نہ تھے اس لئے وہ امام بھی قرار نہیں پا سکتے۔ اور یہ بات ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ شرک ظلم عظیم ہوتا ہے۔ لہٰذا

کوئی بھی فرد جس نے زندگی کے کسی حصہ میں بھی شرک کیا ہو۔ وہ عہدِ خداوندی کا استحقاق نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوبکر چالیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ اور حضور نبی اکرمؐ نے آپ کی شہادتِ ایمان دینے سے بھی گریز فرمایا جیسا کہ اہل سنّت کی کتاب کشف المغطا عن کتاب الموطا صہ ۳۰۱ پر ہے۔ ابوالنضر سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے شہدائے اُحد کے لئے فرمایا "یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں گواہ ہوں"۔ حضرت ابوبکر نے کہا۔ "یا رسولؐ اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں۔ جیسے وہ مسلمان ہوئے ویسے ہم مسلمان ہوئے اور جہاد کیا ہم نے جیسے انہوں نے جہاد کیا"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں مگر معلوم نہیں میرے بعد تم کیا کرو گے"۔ تو رونے لگے۔ اور فرمایا "کیا ہم زندہ رہیں گے آپ کے بعد۔۔۔ (بحوالہ کتاب المغازی واقدی غزوہ احد صہ ۱۰۳)

دوسری طرف حضرت علیؑ کے بارے میں ارشادِ پیغمبرؐ ہے کہ "علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ۔ یا اللہ پھیر دے حق کو ادھر جدھر علی پھرے"۔ کنز العمال جلد ۶ صہ ۱۵۷ حدیث ۲۹۳۷۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب المناقب السرہ جلد ۸ صہ ۱۲۹)

یہ حدیث امیر علیہ السلام کی عصمت و طہارت کے لئے نص جلی ہے۔ نیز خلافت ثلاثہ کو باطل قرار دینے کے لئے کافی و وافی ہے۔ کیونکہ بمطابق فرمانِ رسولِ اکرم جناب امیر علیہ السلام کی ہر حرکت "حق" ہے۔ لہٰذا ان کا مد مقابل یقیناً باطل ہوگا۔ "حق" خاصۂ عصمت و طہارت ہے اور باطل فسق و ظلم ہے۔ معصوم و طاہر مستحق نیابت رسولؐ ہے اور ظالم فاسق و مشرک مردود ہے۔

شرط پنجم

شرط خلافت خاندانی وراثت ہے نہ کہ جمہوری

تمام انبیاء مرسلین علیہم السّلام کے نائب منصوص من اللہ تھے اور ہر نبی کا وارث اس کے خاندان سے بھائی یا فرزند وغیرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کسی بھی نبی یا رسولؐ کا جانشین اُمّت نے اجماع سے کسی صحابی کو خود منتخب کیا ہو۔ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم النبیینؐ تک موروثی خلافت رہی۔ جیسا کہ اکثر آیات قرآنیہ اس کی تائید میں ہیں۔

(۱) "وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب" یعنی اس کی ذریت میں نبوت و کتاب رکھ دی۔ (عنکبوت ۲۷)

(۲) اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہوا۔

(۳) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارونؑ کو وزیر بنایا۔

چنانچہ ان نصوص کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خلافت خاندانِ نبوت کا ہی حق ہے لہٰذا وصی الرّسول کے لئے لازم ہے کہ وہ خاندانِ رسالت کا فرد ہو۔ اسی لحاظ سے قرابت رسولؐ میں حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر پر فوقیت حاصل ہے بلکہ ازروئے قرآن الحکیم (آیہ مباہلہ کی روشنی میں) حضرت علیؑ کو نفسِ رسولؐ کا مقام خاص حاصل ہے۔ جو کسی بھی دوسرے شخص کو نہ مل سکا۔

واضح ہو کہ سقیفہ بنی ساعدہ خلافت کمیٹی میں خلافت کا مستحق خاندانِ

قریش کو سمجھا گیا تھا۔ اور انصار کا دعویٰ امارت محض اس بنیاد پر نہ مانا گیا کہ وہ قبیلۂ قریش میں سے نہ تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندانِ رسولؐ کے استحقاق کو مسلمان اُس وقت بھی تسلیم کرتے تھے۔ اور اس کا ثبوت ہم نے گذشتہ بیان میں شرط اوّل کے ذیل بمطابق صحیح بخاری لکھ دیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کو قرابتِ رسولؐ کا جو درجہ حاصل ہے اس کی اہمیت مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۱) "اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں"۔

(۲) "میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں"۔

(۳) "اے علی تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے"۔

اگر اتنا قرب کسی اور بزرگ کو جناب سرکارِ دو عالمؐ سے تھا تو ظاہر کیجیے ورنہ مان لیجیے۔ کہ رسولؐ مردوں میں سے سب سے زیادہ علیؑ کو محبوب رکھتے تھے اور عورتوں میں فاطمہؑ کو۔ اور یہ گواہی ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابوبکر نے دی ہے۔

جیسا کہ "آغاز" میں آیتِ قرآنی رقم کی گئی کہ اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے حق ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ مجرمین ناپسند کریں $\frac{11}{12}$ چنانچہ قرآن مجید سے حق وراثت خاندانِ رسولؐ کے لئے ثابت ہے۔ اب لوگ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔ اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ باقی جو مسٹر نظامی نے "مستحقینِ خلافت" کے عنوان میں یہ لکھا کہ "اگر اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کو خلیفہ مقرر فرما دیتے تو خدا بہتر

جانتا ہے کہ ان کی ذاتِ مقدس خود مسلمانوں یا غیر مسلمین کے اعتراضات سے محفوظ رہتی یا کیا کچھ ہوتا۔ اِس مصلحت کو خدا اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے تھے۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ نے خلافت کا وارث اپنے خاندان کے افراد کو بحکم خدا بنایا۔ اگر اِن برگزیدہ انبیاءؑ پر اعتراضات کئے جا سکتے ہیں تو پھر آنحضرتؐ کے لئے بھی یہ کوئی انوکھی بات نہ ہوتی لیکن چونکہ وصی کا انتخاب ہی خدا کی جانب سے ہوتا ہے لہٰذا یہ اعتراض براہِ راست خدا پر ہوگا۔

اگر خاندان کے افراد صالح و نیک سیرت ہوں تو ان کی وراثت کا حق تلف کر لینا ظلم ہے۔ کیونکہ خود قرآن مجید میں ہے کہ "جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کی اولاد بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلتی ہے تو ہم ان کے مراتب و مدارج میں اُن کی ذریت کو شریکِ قرار دیتے ہیں۔"

پس یہ اعتراض مردود ہے کہ خاندانی وراثت رسولؐ کے لئے باعثِ تعرض ہوتی۔ جبکہ خود حضرت ابوبکر کو صرف "خاندان قریش" کے فرد کی حیثیت سے خلیفہ بنایا گیا۔ معترض اب بھی ایسا اعتراض کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ نے اپنے خسر کو۔۔۔۔۔۔؟

مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ وارثِ رسولؐ خاندانِ رسولؐ کا فرد ہوتا ہے۔ جیسا کہ سنّتِ الٰہیہ ہے۔ اور جناب رسولِ اکرمؐ کا وصی بھی آپؐ ہی کے اہلِ بیت کا کوئی فرد ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی حضرت علیؑ معیارِ

مطلوبہ پر مطابقت رکھتے ہیں۔

علاوہ دیگر شرائط کے ہم نے اوپر صرف پانچ معیارِ خلافت از روئے قرآن مجید رکھے۔ اور ہر معیار پر حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ کا مختصراً موازنہ ہدیہ ناظرین کیا۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنا آپ کے اذہان وقلوب کا کام ہے کہ وارثِ رسولِ مقبولؐ کون سی ہستی ہے؟

احادیث رسولؐ امین میں خلفائے برحق کی نشاندہی اُن کی تعداد اور اسماءِ مبارک

حضرت محمدؐ نے اپنے خلفاء اور ان کی تعداد کا ذکر کئی مرتبہ فرمایا اور انہی کو "آئمہ" اور "امراءُ" اور "اوصیاءُ" ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مع ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی اہل سنّت مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ پارہ ۶ سورہ مائدہ میں ارشادِ پروردگار "وَبعثنا منهم اثنی عَشر نقیبا" کی تفسیر حاشیہ پر یوں مرقوم ہے۔ "ایک عہد اُس اُمّت سے تھا کہ رسولؐ جو بعد پیدا ہوں۔ ان کی مدد کرو۔ اس کے بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفا کی اطاعت کرو۔ یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا۔ اِسی اشارہ کو حضرتؐ نے بتایا ہے کہ میری اُمّت میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ قوم قریش سے"

محدّث اہل سنت شاہ عبدالقادر دہلوی کی تفسیر "موضح القرآن" کی مندرجہ بالا عبارت سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ نے خلفا کی تعداد بارہ بتائی تھی بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُن بارہ خلفاء کی اطاعت فرض ہے۔ بارہ

خلفاء کے متعلق احادیث حسبِ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمایئے :-

(۱) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۳ کتاب الاحکام صہ ۹ حدیث ۲۰۸۶

(۲) صحیح مسلم مع شرح نووی (عربی) مطبوعہ مصر الجزالثالث کتاب الامارت صہ ۱۴۵۲

(۳) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۳ باب مناقب قریش و ذکر القبائل صہ ۳۲۹ حدیث ۵۷۴۹

(۴) ترمذی جلد ۲ صہ ۱۹ حدیث ۹۰

(۵) تاریخ الخلفاء علامہ اہل سنّت جلال الدین سیوطی مطبوعہ صدیقی لاہور صہ ۵

سیّد علی ہمدانی شافعی اہل سنت اپنی کتاب "مودۃ القربیٰ" میں حدیث شریف نقل کرتے ہیں۔ "عبدالمالک بن عمیر نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے سُنا کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ میرے بعد بارہ ۱۲ خلیفے ہوں گے۔ یہ فرما کر حضورؐ نے آہستہ سے کیا کہا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ فرمایا ہے کہ "وہ سب خلفاء بنی ہاشم سے ہوں گے۔"

منقولہ بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہؐ کے برحق خلفاء کی تعداد بارہ ۱۲ ہے۔ اور وہ قریشی و ہاشمی ہیں۔ آیئے اب ہم حضورؐ ہی سے التماس کرتے ہیں کہ وہ اپنے ان بارہ اوصیاء کے اسماء مبارکہ کا تعارف فرمائیں۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ :-

"سلیم بن قیس ہلالی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ

میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جناب امام حسین علیہ السلام آپ کی ران مبارک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ کبھی اُن کی آنکھوں کے بوسے لیتے ہیں اور کبھی منہ کو چومتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

"تو سیّد (سردار) ہے اور سردار کا بیٹا ہے۔ اور امام ہے امام کا بیٹا ہے۔ اور حجتِ خدا ہے حجت خدا کا بیٹا ہے۔ اور خدا کی نو حجتوں کا باپ ہے جو تیری پشت سے ہوں گے کہ ان کا نواں اِن کا قائمؑ (علیہ السلام) ہوگا"

(روایت اہلسنت سید علی ہمدانی شافعی فی المؤدۃ القربی۔ المودۃ العاشرہ، وموفق ابنِ احمد خطیب خوارزمی۔ ارجح المطالب عبید اللہ لبسمل ب ۳ روضتہ الاحباب ج ۲ ص ۶۷۴)

نقل کردہ حدیث سے ثابت ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام "سردار، امام اور حجتِ خدا ہیں" نیز امام حسینؑ اور اُن کے نو فرزند بھی ان ہی مقاماتِ جلیلہ پر فائز ہیں۔ مگر ہادی برحق اور رسلِ اعظمؐ نے نہ صرف اُمت کو ان ہادیانِ برحق کی نشاندہی کرائی بلکہ اِن کے اسماء مبارکہ بھی بتلا دیئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے فرمایا کہ بعد نزول آیت مجیدہ "اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اپنے اولی الامر کی" میں نے پیغمبرِ خداؐ سے پوچھا کہ میں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کو پہچان لیا اِن کی اطاعت و فرمانبرداری بھی کی لیکن حضورؐ میں نے "اولی الامر" کو نہیں پہچانا جس کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

"وہ میرے جانشین ہیں وہ میرے بعد تم پر حاکم و متصرف نگران، متولّی بنائے گئے ہیں ان میں کا پہلا میرا بھائی "علیؑ" ہے۔ اس کے بعد میرا بیٹا "حسنؑ"۔ اس کے بعد میرا فرزند حسینؑ۔ "حسینؑ کے بعد اس ترتیب سے اس کا بیٹا علیؑ بن حسینؑ (امام زین العابدین) پھر "محمدؑ بن علیؑ" (امام محمد باقرؑ) اے جابرؓ! جب تو میرے اس فرزند کو پائے اس کو میرا سلام پہنچا دینا۔ پھر "جعفر بن محمدؑ" (امام جعفر صادقؑ) پھر "موسیٰ بن جعفرؑ" (امام موسیٰ کاظمؑ) پھر علی بن موسیٰ (امام علی رضاؑ) پھر محمد بن علی (امام محمد تقیؑ) پھر علی بن محمد (امام علی نقیؑ) پھر "حسنؑ بن علیؑ" (امام حسن عسکریؑ) اور پھر م۔ح۔م۔د بن حسن المہدی (امام آخر الزماں علیہ السلام)۔ میرا یہ فرزند آخری زمانہ میں زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح پُر کرے گا جس طرح ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی"۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کا سنِ مبارک پانچ سال کا تھا۔ گویا صغیر السّن تھے۔ اس وقت از خود فرمانے لگے "جابر! میرے جدِ بزرگوار کا سلام مجھے کیوں نہیں پہنچاتے؟" تو میں نے سلام پہنچا دیا۔

(دیکھئے کتب اہل سنت۔ ینابیع المودۃ ص ۴۴۹ مصنّفہ علامہ سلیمان قندوزی حنفی المذہب۔ شواہد النبوۃ ص ۱۵۹۔ ارجح المطالب ص ۴۰۳۔ صواعق محرقہ۔ مودۃ القربیٰ۔ مناقب خوارزمی۔ مفاتیح المطالب۔ حبیب السیر۔ روضۃ الاحباب وغیرہ)

روائیت بالا میں حضورؐ نے جو اسماء مبارکہ اپنے خلفاء کے بیان کئے ان میں حضرت ابوبکر یا اہل سنّت کے کسی اور خلیفہ کا نام نہیں ملتا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ احادیثِ رسولؐ کی روشنی میں بھی حضرت علیؑ ہی

وصیٔ رسول اللہ ہیں۔

روضۃ الاحباب صـ۴۷۵ پر اہل سنّت کے علامہ حموینی تحریر کرتے ہیں کہ "جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میرے خلیفہ اور وصی اور خلقِ خدا پر حجت میرے بعد بارہ ہیں۔ جن کا اوّل میرا بھائیؑ ہے۔ اور ان کا آخر میرا لڑکا۔ پوچھا گیا آپ کا لڑکا کون ہے اور بھائی کون ہے۔ فرمایا میرا بھائی علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اور میرا لڑکا مہدی علیہ السلام جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جب کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہو گی۔

منکرِ آئمہ اطہارؑ مستحقِ شفاعتِ رسولؐ نہیں اور وہ جہنّمی ہے

حافظ ابونعیم مشہور عالم اہلِ سنّت اپنی کتاب "الحلیہ" میں یہ روایت نقل کرتے ہیں "جناب رسولِ خدا صلعم نے فرمایا جو شخص ارادہ کرے کہ میری زندگی کی طرح زندگی گذارے اور میری موت کی مانند موت اور جنّت عدن میں اس کا مکان ہو جیسے خدا نے مجھے دیا ہے۔ پس دوست رکھے علیؑ اور اُن کی اولاد کو اور میرے بعد اماموں کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری اولاد ہیں۔ اُن کی پیدائش میری طینت سے ہے۔ اور اُن کو میرا علم و فہم عطا کیا گیا ہے۔ پس اس شخص کے واسطے دوزخ

ہے کہ میرے بعد اُن کو جھٹلائے اور وہ میرا اُمتی ہو۔ اور اُن کے درمیان قطع رحمی کرے۔ خداوند کریم ایسے شخص کے واسطے میری شفاعت نہ کرائے گا۔"

حدیثِ بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آئمہ اطہار کو جھٹلانے والوں کا انجام دوزخ ہے۔ اور حضورؐ ایسے لوگوں کی شفاعت نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا جہنم سے بچنے کے لئے اور شفاعتِ رحمۃ اللعالمینؐ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ آپؐ کی اولاد میں سے آئمہ پاک سے محبت رکھی جائے اور ان کی اطاعت کو بعد از رسولؐ لازم سمجھا جائے۔ یہی سعادت مندی اور سرخروئی کا راستہ ہے۔ کسی ایسے اُمتی کی اطاعت جس نے اِن ہادیانِ برحق کو جھٹلایا ہو اور اِن کو ایذا پہنچائی ہو حکمِ رسولؐ سے ثابت نہیں بلکہ ضلالت اور ہلاکت کی راہ ہے۔

اثباتِ خلافتِ حیدریہ از کتبِ ادیانِ دیگراں

حضرت علیؑ کی خلافت کے نصوص قطعیہ نہ صرف کتب اسلامیہ میں موجود ہیں بلکہ آپ کی خلافت کی تصدیق دیگر کتب سماویہ الہامیہ۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور دیگر صحیفوں میں بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا جامی اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ جنگِ صفین پر جاتے ہوئے جناب امیرؑ نے اپنا کیمپ دریا کے کنارے پر لگایا۔ شمعون بن یوحنا نامی ایک راہب حاضر ہوا اور کتب سماویہ آپ کے سامنے پڑھیں جس میں ذکر سرکار رسالتؐ

بلکہ ایک ودّیارتھی پنڈت ہی سے سُن لیجئے۔

"پراچین سمے کی پرانی زبانوں میں ایک سنسکرت بھی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سب سے پرانی بولی ہے۔ اس میں کوئی شاکھیا ایسے بھی ہیں جو آج کل عام لکھنے پڑھنے اور بولنے میں نہیں آتے۔ اسی طرح کا ایک نام ہے "ایلا"۔ اس کا مطلب ہے بڑے ہی اونچے درجے والا۔ اور آہل آہلی یا آلی بھی اسی سے نکلا ہے، جیسا کہ عربی زبان میں کہتے ہیں۔ اعلیٰ عالی علی۔ تعالیٰ وغیرہ۔ پراچین ویدوں میں ایسے بہت سے لفظ ملتے ہیں جن کو پڑھنے والے شُبہ کر سکتے ہیں کہ وہ عربی کے بگڑے ہوئے یا سنسکرت سے عربی میں چلے گئے۔ (کتاب ناگرساگر مؤلفہ پنڈت کرشن گوپال مطبوعہ سمیوزن پریس آگرہ۔ شائع کردہ نارائن بک ڈپو آگرہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۱ ایڈیشن ۲)

لفظ ایلا کی مندرجہ بالا تشریح سے ثابت ہوا کہ کرشن جی کا اپنی دُعا یا فریاد میں آہلی یا ایلا کہنا حضرت علیؑ سے مدد کی درخواست کرنا تھا اسی لئے انہوں نے بار بار آپ کا اسم مبارک وردِ زبان کیا ہے۔ اگر نہیں تو اہلِ ہنود و عالمانِ سنسکرت بتائیں کہ "آہلی" یا "ایلا" کے کیا معنی ہیں؟ سنسار کے سب سے بڑے مندر کا کالا پتھر کہاں ہے؟ اور اس میں کس "آہلی" یا "ایلا" نے اپنا چمتکار دکھلایا ہے؟

(شکریہ ایلیا مولفہ حکیم سیّد محمود گیلانی صاحب)

مندرجہ بالا واقعہ سے ثابت ہوا کہ کرشن جی مہاراج اللہ کے بعد رسولؐ اور پھر محبوبِ خدا و رسولؐ "آھلی" کا درجہ مانتے تھے۔ یعنی

رسولِ اکرمؐ کے بعد جناب امیر علیہ السلام کو اپنا "ولی" "ناصر" اور "وسیلہ" تسلیم کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ولائیت سرکار امیر المومنینؑ کو تسلیم کریں۔

اطاعتِ علیؑ اور زبورِ داؤدی

عبرانی زبورِ قدیم میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد یوں درج ہے:-

"اُس ذاتِ گرامی کی اطاعت کرنا واجب ہے جس کا نام "ایلی" ہے۔ اس کی فرمانبرداری سے ہی دین و دنیا کے کام بنتے ہیں۔ اِس گرانقدر ہستی کو "حدار" (یعنی حیدر) بھی کہتے ہیں۔ جو بے کسوں کا سہارا، شیر ببر۔ بہت قوت والا اور "کعابا" (یعنی کعبہ) میں پیدا ہونیوالا ہے۔ اس کا دامن پکڑنا اور اس کی فرمانبرداری میں رہنا ہر شخص پر فرض ہے سُن لو جس کے کان ہیں۔ سمجھ لو جس کا دماغ ہے۔ سوچ لو جس کا دل ہے کہ وقت گذر گیا تو پھر ہاتھ نہ آئے گا اور میری جان میرے جسم کا تو ایک وہی سہارا ہے۔

(بحوالہ "ایلیا" حکیم محمود گیلانی)

حضرت داؤد علیہ السلام نے بالکل وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:

"علیؑ جو حیدر بھی کہلواتے ہیں کی فرمانبرداری و اطاعت ہی سے دین و دنیا کے کام بنتے ہیں۔ یہی وہ ہستی جلیل ہے جس کی فرمانبرداری ہر شخص پر فرض ہے اور جو اس میں تاخیر کرے گا نقصان اٹھائے گا۔"

مہا تما بدھ کی دعا

مہا تما بدھ کی دعا جو "بدھ یوگیا" کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

اس دعا کے الفاظ سے فضیلت جناب امیر علیہ السلام کی معرفت ہوتی ہے۔ مہا تما یوں دعا گو ہیں:۔

"اے اپنے پیاروں کے پیارے! (مطلوب کُل مطلوب) اے ایلیا (یا علیؑ) اے سب پر غالب آنے والے (غالب علی کُل غالب) آ اور اپنا جلوہ دکھا۔ میری دستگیری کر۔ اے پرماتما کے شیر (اسد اللہ) دنیا کی لوڑیاں مجھے کھا جانا چاہتی ہیں۔ تجھے اس کی قسم جس کا تو دست و باز و ہے۔ (ید اللہ۔ قوۃ اللہ اور بازوئے محمدؐ) تجھے اس کی قسم جس کی شکتی تیرے اندر ہے۔ (طاقت) میری مشکل کشائی کر۔ تیرا وعدہ ہے کہ مصیبت پر پہنچوں گا۔ اب امداد کا وقت ہے۔ آ جلدی آ۔ ورنہ میں برباد ہو جاؤں گا۔ تیرا نام وہ ہے جو پرآتما کا ہے۔ (یعنی جو خدا کا نام بھی ہے اور مرتضٰے کا بھی) آ کہ تجھے دیکھنا ہزاروں پرآتھناؤں کے برابر ہے ـــــ (النظر علیٰ وجہ علی عبادۃ۔ یعنی علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے حدیث رسولؐ) تو بھگوان جی کا چہرہ ہے۔ (وجہ اللہ) میرے پیارے تو سب کچھ ہے۔ اور میں تیرے بغیر کچھ بھی نہیں "لنا" اور "لا" تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ سب حال تیرے سامنے ہے۔ میری تکلیفوں کا تجھ کو علم ہے۔ تو ہی ان کو دور کر سکتا ہے (اوم آلیا۔ اوم آلیا۔ اوم آلیا"

(بحوالہ ایلیا۔ رسالہ بدھ گیان مصنفہ رام نرائن بنارسی ص ۵۴)

مندرجہ بالا عبارات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ کی ولائت کا تذکرہ نہ صرف کتب اہل سنت ہی میں موجود ہے بلکہ دنیا کے دوسرے مذاہب کی کتب میں بھی صراحتاً مرقوم ہے۔ یہ امر ایک قوی دلیل ہے کہ حقیقی وارث رسول مقبولؐ جناب علی مرتضیٰ علیہ السّلام ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر وصیٔ رسول اللہ ہوتے تو کم از کم کہیں تو ان کے بارے میں بھی کوئی خبر یا بشارت کتب سابقہ میں مل جاتی لیکن ایسا نہیں۔

یورپین موّرخوں کی رائے

مسلم حکومتوں نے سیاسی مقاصد کے تحت تاریخ کے حقائق پر پردہ پوشی کرنا اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔ حسب منشا تاریخ لکھوائی گئی۔ اور فضائل آلِ رسولؐ کو حتی المقدور نظر انداز کیا گیا۔ لیکن اللہ کا نور پھونکوں سے بجھائے نہ بجھ سکا۔ بلکہ جتنا اُن کے فضائل کو دبایا گیا۔ اتنا ہی وہ اُبھرتے رہے۔ حتیٰ کہ آج بھی ہمیں جب کبھی اپنے مؤقف کو تسلیم کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہم ہمیشہ فریق مخالف کی کتب کا سہارا لیتے ہیں۔ اور ان کے لئے حجت قائم کر لیتے ہیں۔ تاریخِ اسلام میں تحریف اور کمی بیشی کر دی گئی لیکن پھر بھی دروغ گو را حافظہ نہ باشد کے تحت حصولِ مقصد نصیب نہ ہو سکا۔ اور حفاظتِ خدا کا وعدہ سچّا ہوا۔

مغربی مؤرخین اس معاملہ میں قابلِ تحسین ضرور ہیں کہ انہوں نے تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کیا۔ اور اپنی اپنی تحقیقات سے عوام النّاس

کو مطلع کیا۔ یہ مورخ چونکہ غیر مسلم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی تاریخ پر تبصرہ کرتے وقت یقیناً غیر جانبداری کا ثبوت دیتے ہیں۔ اِن کو نہ تو کسی سے اندھی عقیدت ہے اور نہ ہی تعصّب و عداوت۔ چنانچہ اہلِ انصاف کے لئے اِن غیر مسلم مغربی تاریخ دانوں کی آراء نقل کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں نتیجہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

مسٹر واشنگٹن ایرونگ اپنی تاریخ لائف آف محمد اینڈ ہز سکسرز ص ۱۸۳-۱۸۱ پر حجتہ الوداع یوم عرفہ کے حالات لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "میرے اہلبیتؑ خصوصاً علیؑ سے محبت رکھنا۔ اُن کی اطاعت کرنا اور عزّت کرنا۔ جو شخص مجھے دوست رکھتا ہے اُس کو علیؑ سے بھی دوستی رکھنی چاہیئے۔ خُدا یا تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو اس سے دشمنی رکھے"۔ یہی مورخ اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "خلافت کے سب سے زیادہ امیدوار جناب علیؑ تھے۔ جن کا سب سے زیادہ فطرتی حق تھا۔ کیونکہ رسولؐ کے ابن عم اور داماد تھے۔ اور جناب فاطمہؑ سے آپ کی جو اولاد تھی وہی رسولؐ کی یادگار رہ گئی تھی۔ (سکسرز آف محمدؐ ص ۲)

تاریخ خلفاء رسولؐ ص ۱ پر ایرونگ لکھتے ہیں کہ "خونی رشتہ کے لحاظ سے حق خلافت حضرت علیؑ کا تھا۔ (نہ صرف یہ کہ) اُن کے اوصاف حمیدہ اور خدمات کثیرہ نے نمایاں طور پر انہیں مستحق خلافت ٹھہرا دیا تھا۔

جس زمانے میں اسلام کا آغاز ہی تھا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کو کفار ایذائیں پہنچاتے تھے۔ رسولؐ نے علیؑ کو اپنا "وصی" اور "بھائی" فرمایا تھا۔ اس وقت سے وہ برابر قول و فعل گفتار و کردار میں جانثاری کرتے رہے اور پوری عالی حوصلگی سے ایسے نمایاں طور پر اسلام کا ساتھ دیا جیسا کہ اپنی شجاعت سے ظاہر کیا تھا۔"

مسٹر جان ڈیون پورٹ

اپنی انگریزی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں کہ ان ہر دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے ایک نے رسولؐ کے خسر ابو بکر کو جانشین مانا اور دوسرے فرقہ نے ان کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف اور حمیت ہے تولا رکھی۔ بایں نظر کہ آنحضرتؐ ان سے (علیؑ سے) ہمیشہ محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ ان کو جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ بالخصوص دو موقعوں پر (اوّل) جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے اظہار ایمان کیا۔ حضرتؐ نے اپنی باہیں اس (علیؑ) کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کر باآواز بلند اعلان کیا "دیکھو میرے بھائی میرے "وصی" اور میرے "خلیفہ" کو۔

(دوم) جب رسولؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا بحکم خدا جس کو جبرئیل حضورؐ کے پاس لائے تھے۔ اور یوں کہا تھا۔ کہ اے پیغمبر آپؐ پر صلوٰۃ و رحمت خدا کی طرف سے لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپؐ بغیر تاخیر کے سنا دیں۔ اور

کہتے ہیں ٹھہر گئے اور لوگوں کے جم غفیر سے جو الفاظ بیان فرمائے اس سے ان کے ارادہ ولی عہدی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔"

مسٹر سٹیڈ لاٹ اظہار خیال کرتے ہیں کہ اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول جناب علیؑ کے موافق ابتداء سے مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے نہ ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غوطہ دیا۔

(کتاب مذکورہ بحوالہ تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۶)

آنریبل فریزر ٹیلر صاحب اپنی "جنرل ہسٹری" ص ۲۲۹ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت محمدؐ نے اپنے داماد علیؑ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ مگر آپؐ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔"

مسٹر گبن عروج و زوال سلطنت روم مؤلفہ گبن ص ۹۲۸ پر صاحب کتاب رقمطراز ہیں:۔

"اگر علیؑ جو مستحق خلافت تھے بعد از رسولؐ خلیفہ مقرر کر دیئے جاتے تو اسلام اپنے خون میں نہ نہاتا۔"

صحت حدیث غدیر کا ثبوت منجانب خدا بشکل عتاب

یوں تو طالب حق کے واسطے صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کسی موقعہ پر حضرت ابوبکر کو

یا دیگر اصحاب کو "وصی" "امام" "خلیفہ" "وارث" "سید" "ہادی" "مولا" "ولی" کے القاب سے ملقب نہیں فرمایا۔ اور کوئی ایک بھی روایت صحیح کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے کہ حضور پاکؐ نے مذکورہ القاب سوائے حضرت علیؑ کے کسی دوسرے کو عطا کئے ہوں۔ لیکن ہم ناظرین کو مندرجہ ذیل واقعات کی طرف دعوتِ غور دیتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ربّ العزّت نے اپنے اس حکم کی تصدیق کیسے کی۔

انس بن مالک کا مبروص ہونا

حضرت طلحہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب علیؑ کو منبر پر دیکھا کہ اصحاب رسولؐ کو قسم دے رہے تھے۔ ان میں حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور انس بن مالک بھی منبر کے گرد بیٹھے تھے۔ اور جناب امیر منبر پر تشریف رکھتے تھے اور منبر کے ارد گرد مہاجرین و انصار سے بارہ ۱۲ بدری اصحاب موجود تھے۔ پس جناب امیرؑ نے اُن سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے حضورؐ سے "من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ" کے ارشاد کو سُنا ہے۔ پس جب لوگ کھڑے ہو گئے انس بن مالک بھی لوگوں میں موجود تھے۔

انہوں نے گواہی نہ دی۔ جناب امیرؑ نے انس بن مالک سے فرمایا تم کو شہادت دینے سے کس بات نے روکا ہے۔ باوجودیکہ تم نے بھی یہ ارشادِ رسولؐ سُنا تھا۔ جو کچھ کہ ان لوگوں نے سُنا۔ حضرت انس کہنے لگے۔ یا امیر المومنین میں بوڑھا ہوں۔ مجھے یہ بات بھول گئی ہے۔ جناب امیرؑ نے دعا کی اے میرے پروردگار! اگر یہ جھوٹ کہتا ہے تو اسے برص کی مرض میں مبتلا کر دے کہ اسے

عمامہ نہ چھپا سکے۔ طلحہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے انس بن مالک کی پیشانی پر وہ سفید داغ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"

(روائیت اہلسنت اخرجہ ابونعیم وابن مردویہ۔ شواہد النبوۃ۔ ملا عبدالرحمن جامی ص۱۶۸)

انس بن مالک کا اعتراف

کتاب اربعین مؤلفہ اسد بن ابراہیم حنبلی سنی المذہب نے لکھا ہے کہ

سالم بن جعدہ حضرت انس کے پاس آیا۔ وہ ان دنوں اندھے تھے اور ماتھے پر کوڑھ کا نشان تھا۔

ایک شخص نے جو اُن کے رشتہ داروں میں سے تھا اُن سے دریافت کیا کہ اے مصاحبِ رسولؐ یہ آپ کے داغ کیسا ہے؟ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مومن جزام و برص میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حضرت انس نے سر جھکا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ یہ برص حضرت علیؑ کی بددعا سے ہوا ہے۔ اُس نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے حدیث بساط کا واقعہ دہرایا۔۔۔ انس کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے مجھ سے گواہی چاہی میں نے کہہ دیا کہ یہ واقعہ میں بھول گیا ہوں۔ جناب علیؑ نے فرمایا۔ اے انس حضورؐ نے اس گواہی کے دینے کی تجھے وصیت فرمائی تھی۔ پس تو نے باوجود وصیتِ رسولؐ کے اس گواہی کو چھپایا۔ خدا تعالیٰ تیرے منہ پر برص آنکھوں میں اندھا پن اور شکم میں سوزش پیدا کر دے۔ اس دعا کے بعد سے انس کے چہرے پر برص کا داغ پڑ گیا۔ آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور

پیٹ میں جلن پیدا ہو گئی۔ راوی کہتا ہے کہ انس سوزش شکم کے سبب روزہ نہ رکھ سکتے تھے۔ اور رمضان میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

(عبقات الانوار جلد غدیر)

زید بن ارقم کی بصارت کا کھو جانا

حضرت زید بن ارقم کہتے ہیں۔ کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس حدیث غدیر کو رسولؐ سے سُنا تھا۔ پس میں نے اُسے چھپایا۔ میری بصارت جاتی رہی۔ حضرت زید بن ارقم اس شہادت نہ دینے پر نادم رہا کرتے تھے اور استغفار کیا کرتے تھے۔

(اخرجہ ابوبکر بن مردویہ۔ ابن مغازلی۔ طبرانی۔ ارجح المطالب باب ۴ اور شواہد النبوۃ ص۶۸)

پس ان روایات سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حدیث غدیر کی تصدیق نہ کرنے کے سبب جلیل القدر صحابہ رسولؐ اکرم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔

خلاصۂ بیان

مندرجہ بالا بیان کا خلاصۂ کلام درج ذیل ہے:۔

(۱) وصی رسولِ مقبولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمّت کے "صدیقِ اکبرؑ" ہیں۔

(۲) کئی وجوہات کی بنا پر حضرت ابوبکر "صدیق" قرار نہیں پا سکتے۔

(۳) دعوتِ ذوالعشیرہ کے مطابق اسلام کی دعوت اوّل اقرباء کو دی گئی۔ اور قرابت داروں میں حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ صلعم سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ انہوں نے آپؐ کی تصدیق سب سے پہلے فرمائی اور مسلم اوّل ہونے کی حیثیت سے "صدیقِ اکبر" ٹھہرے۔ اسی موقع پر رسولؐ نے انہیں اپنا "وصی" قرار دیا۔

(۴) سرکار رسالت مآبؐ نے اپنی زندگی میں کبھی شرک نہیں کیا۔ لہٰذا "وصی" کو بھی رسولؐ کے کردار کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ اس لئے کوئی مشرک "وصی الرسولؐ" نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت علیؑ کی زندگی شرک و کفر سے پاک و منزہ ہے لیکن یہ خاصیت حضرت ابوبکر میں نہیں ملتی۔

(۵) متعدد مرتبہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کے لئے "وصی" "خلیفہ" "وارث" اور دیگر الفاظ جو مفہوم خلافت کے لئے موزوں تھے، استعمال کئے۔ لیکن حضرت ابوبکر کو یہ شرف نصیب نہ ہوسکا۔

(۶) حضرت علیؑ "ہارون محمدی" ہیں اور حضرت ابوبکر کو یہ درجہ حاصل نہ ہوسکا۔

(۷) تبلیغ سورہ برات کا فریضہ حضرت ابوبکر کی بجائے حضرت علیؑ کو سونپا گیا۔ اور حضرت ابوبکر کو وجہ دریافت کرنے پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ہے اس کی تبلیغ یا میں خود کروں یا میرے اہلبیت کا کوئی مرد۔ پس علیؑ مجھ سے ہے۔ اور وہ میرا "بھائی" ہے۔ میرا "وصی" میرا "وارث" میرا "خلیفہ" ہے۔ اگر حضرت ابوبکر وصی رسولؐ ہوتے تو حضور علیہ السلام حضرت علیؑ کا تعارف بایں الفاظ نہ فرماتے۔

(۸) حدیثِ غدیر حضرت علی علیہ السلام کی وصائت کے لئے نصِ جلی ہے۔
اس حدیث کی تصدیق قرآن مجید شہادتِ اصحاب اور خصوصاً حضرت عمر اور دیگر اصحاب کی مبارک بادی سے ہوتی ہے۔

(۹) مقامِ غدیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً جناب امیر علیہ السلام کی دستار بندی فرمائی۔

(۱۰) حرث فہری کے انکارِ ولائیت پر اُسے منہ مانگا عذاب دیا گیا۔

(۱۱) حکمِ ولائیت علویہ منجانب رب العزت تھا۔ کیوں کہ رسولؐ نے حرث کو تین مرتبہ یہی جواب دیا اور عصمتِ رسولؐ کا گواہ خود قرآن مجید ہے کہ نبی خدا کی طرف کوئی بات یونہی منسوب نہیں کرسکتا۔

(۱۲) خطبہ غدیر میں ہر وہ لفظ استعمال کیا گیا جو بھی معنی خلافت کے لئے موزوں ہے۔ "وصی"۔ "امام"۔ "خلیفہ" وغیرہ۔

(۱۳) بیان کردہ اہتمامات حضرت ابوبکر کے لئے منعقد نہ ہوسکے۔

(۱۴) تمام انبیاءؑ کے "وصی" معصوم ہوئے۔ لہٰذا ختمی مرتبتؐ کے "وصی" کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر غیر معصوم ہیں۔ نیز سابقہ انبیاءؑ کے اوصیاء خاندانِ نبی کے افراد ہوئے نہ کہ صحابی۔ اس لئے رسولؐ کا وصی بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق اُس کا خاندانِ رسولؐ میں سے ہونا بھی لازم ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام معصوم اور اہلبیتِ رسولؐ ہونے کے سبب وصیٔ رسولؐ ہیں۔

(۱۵) حضرت ابوبکر سے حضرت علیؑ کا جہاد افضل ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ
اُن سے افضل ہیں۔

(۱۶) مغضوبِ خدا کبھی "صدیق" نہیں ہوسکتا۔ حضرت فاطمہؑ جگر گوشۂ رسولؐ
کا غضب از روئے فرمانِ رسولؐ غضبِ خدا ہے۔ چونکہ بی بی پاک حضرت
ابوبکر پر ناراض رہیں۔ لہٰذا خدا بھی خوش نہ ہوا۔ اس لئے عہدۂ
صدیقیت کا جواز باقی نہ رہا۔

(۱۷) قرآنِ مجید کی رُو سے خلیفہ برحق کا تقرر خود خدا کرتا ہے۔ اور وہ
اجماعی نہیں ہوتا۔

(۱۸) حضرت ابوبکر کو مخصوص لوگوں نے خلیفہ بنایا اور ان کی خلافت
منصوص نہ تھی۔

(۱۹) خلیفہ کا عالم بے مثل ہونا ضروری ہے۔

(۲۰) حضرت ابوبکر کا علم کسی صورت سے حضرت علیؑ سے زیادہ نہ تھا۔

(۲۱) خلیفۃ اللہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع بھی ہوتا ہے اور
حضرت علیؑ علم و شجاعت میں حضرت ابوبکر سے افضل ہیں۔

(۲۲) ظالم "خلیفۃ اللہ" اور "وصی رسول اللہ" نہیں ہوسکتا۔ شرک
ظلم عظیم ہے۔ اس لئے کوئی مشرک عہدۂ وصائت نبوی پر فائز نہیں
ہوسکتا۔ شومئی قسمت سے حضرت ابوبکر اس معیار پر بھی پورے نہیں اُتر پاتے۔

(۲۳) شرطِ خلافت خاندانی وراثت ہے نہ کہ جمہوری اور حضرت ابوبکر
جمہوری خلیفہ تھے۔

(۲۴) احادیثِ رسولؐ میں خلفائے رسولؐ بارہ ہیں۔

(۲۵) یہ بارہ خلیفے قریشی و ہاشمی ہیں۔

(۲۶) آئمہ اثنا عشر علیہم السلام ہی کے اسماءِ مبارک حضورؐ نے احادیث میں ارشاد فرمائے۔ اور حضرت ابوبکر کو اس فہرست میں شامل ہونے کی سعادت نہ مل سکی۔

(۲۷) آئمہ اطہار کا منکر شفاعتِ رسولِ مقبولؐ سے محروم ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ لیکن حضرت ابوبکر کی شان میں ایسا کوئی حکم وارد نہیں ہے۔

(۲۸) خلافت حیدریہ کی پیشگوئی سابقہ کتب و صحائف آسمانی میں موجود ہے۔

(۲۹) مغربی مورخین استحقاقِ خلافت علویہ تسلیم کرتے ہیں۔

(۳۰) صحابۂ رسولؐ کو شہادتِ ولائتِ علیؑ چھپانے کی وجہ سے عتابِ الٰہی میں مبتلا کر دیا گیا۔

دورِ ابوبکر اور تمکینِ دین

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ خلیفہ کے لیئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بادشاہ بھی ہو۔ لیکن بادشاہت اس کا حق ضرور ہوتا ہے۔ مگر خلیفۃ اللہ کے لئے ضروری ہے کہ دینِ الٰہی کی تمکین کرے۔ اسے استحکام پہنچائے۔ دینی علوم و فنون سے عوام کو روشناس کرائے۔ اور احکام خدا اور رسولؐ کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے۔ دین کو مضبوطی سے قائم کرنا اس کا اولین فرض ہے۔

اس کے لئے خواہ اسے جاہ وحشم اور طاغوتی قوتوں سے ٹکر ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ لہٰذا سورۂ نور کی آیت ۵۵ کے تحت حفاظتِ دین خلیفہ کا بنیادی فرض ہے۔ اس فریضہ کی روشنی میں ہم اب دورِ حضرت ابوبکر کو زیر بحث لائیں گے۔ اور دیکھیں گے تمکینِ دین کے لیے اُن کی جدوجہد کس حد تک مستحسن و کامیاب تھی۔

غصب حق منافی دین ہے

اس ضمن میں ہم سب سے پہلے ادائیگی حقوق کو موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ دینِ اسلام میں "حق تلفی" ایک سنگین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم گذشتہ بیان میں یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ حقِ خلافت حضرت علیؑ کا تھا۔ اور حضرت ابوبکر کچھ مخصوص لوگوں کی مدد سے خلیفہ بن گئے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت علیؑ کا حق تلف کیا۔ اور خود غصبی حکومت قائم کرلی۔ ازروئے اصولِ اسلام کوئی غصبی حکومت اسلامی یا دینی حکومت نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسی حکومت کے زیر انتظام پورے کا پورا نظام حکومت باطل قرار پاجائے گا۔ اس بنیادی اصول کے تحت اب ایسی حکومت جو کچھ بھی کرے گی اس کا کم از کم دین سے واسطہ نہیں رہے گا۔ اور جب حکومت دینی نہیں ہوگی تو تمکینِ دین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کارِ قضا کچھ امورِ دینی کو فروغ حاصل ہوا بھی تو بھی وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی امر کی بنا پر اعمال کا ضائع ہوجانا۔ باوجودیکہ ہم یہ بات پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا اور حضرت ابوبکر بذاتِ خود اس استحقاق کے دعویدار نہ تھے۔ ہم مزید ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

عدم بیعت امیر علیہ السلام

سُنّی تاریخ اعثم کوفی صہ ۳ اور

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ پر ہے "وفات سرورِ دو عالم صلعم کے روز خواص نے سقیفہ میں بیعت کی اور دوسرے روز مسجد میں عوام نے بیعت کی۔ جب اس بیعت سے فارغ ہو چکے تو حضرت ابوبکر نے ایک مجلس قائم کر کے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو بلوایا۔ آپ اس مجلس مہاجرین و انصار میں اپنی مناسب جگہ پر تشریف فرما ہوئے۔ پوچھا ہمیں بلانے کا کیا منشا ہے؟ حضرت عمر بولے کہ یہ مطلب ہے کہ چونکہ تمام اصحاب نے خلافت ابوبکر پر اتفاق کر لیا ہے۔ آپ بھی اتفاق کر کے بیعت کر لیں۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا تم لوگوں نے قرابت رسولؐ کا وسیلہ پکڑ کر انصار کو تسکین دلائی ہے جس سے خلافت ابوبکر کو ملی ہے اب اسی وسیلہ کو میں اختیار کرتا ہوں۔ از روئے انصاف بات کرو کہ تم لوگوں سے آنحضرت کا زیادہ قریبی کون ہے؟ خدا سے ڈرو اور بہانہ نہ کرو۔ اور جب انصاف لیا ہے تو انصاف کرو بھی۔ عمر نے کہا تجھ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم بیعت نہ کرو۔ اور ابوبکر کی خلافت میں دوسروں کے ساتھ متفق نہ ہو جاؤ۔ علی علیہ السلام نے جواب دیا میں اس بات سے کب ڈرتا ہوں۔ جب تک میری زندگی باقی ہے میں اپنے حق سے باز نہ رہوں گا۔ ابوعبیدہ جراح نے کہا اے ابوالحسنؑ آپ کی فضیلت اور سبقت لوگوں پر روشن ہے اس واسطے تو اس کی اہلیت اور استحقاق رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ لائق ہے۔ لیکن اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے اور امر خلافت ابوبکر پر قرار پکڑ گئی ہے تو بھی ان کے اتفاق سے راضی ہو اور مخالفت نہ کر۔ حضرت حیدر کرارؑ نے جواب دیا تو مقرب حضرت امین اور معتمد امت ہے معاف کر اور جو بات سچی

ہوا اس کو نہ نکال۔ وہ بخشش جسے اللہ نے خاندان نبوت کو عطا کی ہے۔ ایسا مت کرو کہ دوسروں کے خاندان میں چلی جائے۔ قرآن ہمارے گھر میں نازل ہوا ہے ہم معدن علم دین ہیں۔ اور سنن سیدالمرسلین ؐ ہیں۔ رضاع شریعت اور مصالح اُمت کو دوسروں کی نسبت ہم بہتر جانتے ہیں۔ اپنی طبیعت کے موافق عمل نہ کرو کہ تم کو نقصان ہو گا۔

بشیر ابن سعد نے کہا اے ابوالحسنؑ قسم ہے خدا کی اگر آپؑ کی تقریر ابوبکر کی بیعت سے پہلے تمام لوگ سنتے تو احتمال تھا۔ کہ دو کس اصحاب سے بھی مخالفت نہ اُٹھتی لیکن جب آپ گھر میں بیٹھ رہے تو تمام لوگوں نے سمجھا کہ آپ کو حکومت سے رغبت نہیں ہے۔ اب یہ آپ کی بات لوگوں کے فہموں کے خلاف ہے۔ اس پر کہ ایسا نہ ہو کہ امر شریعت میں خلل واقع ہو۔ ابوبکر پر بیعت کر لی ہے۔ اس خطرناک مہم کی باگ اس کے اقتدار کے قبضہ میں دے دی ہے۔ وصی برحق نفسِ پیغمبر نے جواباً فرمایا۔ "اے بشیر ذرا سوچو کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ میں جسم مبارک خواجۂ کائنات ؐ و خلاصۂ موجوداتؐ گھر میں بلا تجہیز و تکفین چھوڑ کر ریاست و حکومت کے طلب میں دوڑتا۔"

ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؑ اس امر میں میرے ساتھ جھگڑا کریں گے تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ اب جو خلقت نے بیعت کر لی ہے اگر آپ بھی اتفاق کر لیں تو میرا گمان خطا نہ جائے۔ اگر فی الحال بیعت کرنا نہیں چاہتے آپ پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بسعادت تشریف لے جایئے۔ امیرالمومنینؑ نے جب یہ باتیں ابوبکر سے سنیں تو اُٹھ کر گھر تشریف لائے اور بیعت نہ کی۔

(کتاب اہل سنت روضۃ الصفا صـ ۲۲۲ جلد ۲) روضۃ الاحباب جلد ۲ صـ ۲۴۔ تاریخ اعثم کوفی صـ ۱۳)

مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے دعویٰ حقِ خلافت دائر کیا اور حضرت ابو بکر اُسے جھٹلا نہ سکے۔ انہوں نے اجماع کے علاوہ اور کوئی ثبوت استحقاق پیش نہ کیا۔ لہٰذا جناب امیر علیہ السلام کی حق تلفی حضرت ابو بکر پر ثابت ہو گئی۔ ان کی حکومت "ریاستِ غاصبہ" قرار پائی۔ اس لئے غصبی حکومت میں تمکین دین کا ہونا امر محال اور خلافِ اصول ہے۔

انتشارِ شیرازۂ ملّی

دین کا تمکّن اتحاد و اتفاق پر مبنی ہے۔ اگر امت متحد و منتظم ہو گی تو دین کے قیام کو استحکام ملے گا۔ اس کے برعکس اگر یکجہتی ختم ہو جائے گی تو دین کی بنیادیں کھوکھلی ہونا شروع ہو جائیں گی۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکر کے دَور میں اُمت انتشار اور گروہ بندی کا شکار ہو گئی۔ انتخابِ ابو بکر کے موقع پر سقیفہ بنی سعد میں مسلمان مختلف الرائے ہو گئے۔ مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے۔ کئی جلیل القدر صحابۂ رسولؐ نے حضرت ابو بکر کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ جیسا کہ سُنی تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صـ ۱۸۶ پر لکھا ہے:۔

"جناب علیؑ۔ تمام بنی ہاشم۔ حضرت زبیر بن عوام۔ طلحہ۔ خالد بن سعیدؓ۔ سعد بن عبادہؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ ابو ذر غفاریؓ۔ مقدادؓ۔ حذیفہؓ۔ خباب۔ جابر انصاریؓ۔ ابو سعید خدریؓ۔ حضرت زید بن اسلمؓ۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیعتِ خلافتِ ابو بکر سے انکار کیا اور حضرت علیؑ کی مطابعت کی۔"

(اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، استیعاب وغیرہ)

اس دن کا انتشار اسلام کو نقصان پہنچانے کا سبب اوّل بنا۔ اور مسلمانوں میں گروہ بندیاں ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مرتد ہو گئے۔ فتنہ ارتداد کو دبانے کے لئے بالآخر حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ سے مدد طلب کی۔ اور اُن کی ہدایات پر اس فساد کی سرکوبی ہوئی۔ کئی جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسئلہ زکواۃ نے تشویش ناک صورتِ حال اختیار کر لی۔ اور لوگوں نے آپس میں جھگڑے شروع کر دیئے۔ خود صحابۂ رسولؐ خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔ اور دین کے تمکین کی بجائے سلطنت کی وسعت کی گئی۔ جب کبھی بھی دینی مشکل پیش آئی خلیفہ برحقؑ کو مشکل کشائی کے لئے پکارا گیا۔ اور اس گوشہ نشین نے دین کے محل کی بنیادوں کو اپنے اور اپنے اہلِ خاندان کے خون کے گارے سے استوار کیا۔

ظلم اور تمکین دین

دین اسلام کا نام ہی سلامتی کی گارنٹی دیتا ہے اور ظلم اصولِ دین الٰہیہ کے خلاف ہے۔ کوئی ظالم حکمران نائب خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب ہم خلیفہ برحقؑ کے فرضِ اوّلین یعنی "تمکین دین" کے پہلو کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔ تو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے کہ ظالم حکومت کسی صورت سے بھی تمکین دین کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی کلیہ کے تحت جب ہم دورِ ابوبکر پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایسے مظالم دیکھنے میں آتے ہیں جو صریحاً اور ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ اُن کا دور

"تمکینِ دین" کا حامل نہ تھا۔ مثلاً ہم چند واقعات کی جانب ناظرین کی توجہ مبذول کراتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ دورِ حضرت ابوبکر میں تمکینِ دین کیا ہوئی؟

خانۂ سیدۃ النساء کو آگ لگانے کی کوشش

حضرت ابوبکر کے دور میں سب سے پہلے حکومت کی جانب سے خانوادۂ سرکارِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظلم کا نشانہ بنے۔ اور اس کا اظہار سیدہ طاہرہؑ نے اِن الفاظ میں کیا۔ "جو مصائب مجھ پر پڑے اگر یہی دنوں پر پڑتے تو مارے غم کے رات ہو جاتے"۔ ان ہی مصائب میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مکان کو آگ لگانے کا سامان ہوا۔ چنانچہ اہل سنت محمد بن جریر طبری تاریخ الامم والملوک مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۹۸ پر لکھتے ہیں:۔

"ابنِ حمیدی راوی ہے کہ عمر ابن الخطاب جناب علیؑ کے مکان پر آئے اس پر طلحہ و زبیر اور کچھ مہاجرین بیٹھے تھے۔ پس عمر نے کہا۔ واللہ میں ضرور جلا دوں گا تم پر اس مکان کو ورنہ باہر نکل آؤ اور بیعت کرو۔ پس زبیر تلوار کھینچتے ہوئے باہر آئے مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ پس تلوار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور لوگوں نے دوڑ کر زبیر کو پکڑ لیا۔

عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۷۶ پر مرقوم ہے:۔

جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا۔ وہ حضرات علیؑ، عباس، زبیر، سعد بن عبادہ تھے۔ پس علیؑ و عباسؓ اور زبیر جناب فاطمہ کے گھر آ کے

بیٹھے یہاں تک کہ ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو اُن کی طرف بھیجا کہ اُن کو جناب فاطمہ کے گھر سے نکال دے۔ اور کہہ دیا اگر وہ انکار کریں تو انہیں قتل کر دے پس عمر آگ کی چنگاری لئے ہوئے آئے کہ مکان کو آگ لگا کر اُن لوگوں کو جلا دیں۔ پس جناب فاطمہ ع نے عمر ابن خطاب کو دیکھا تو کہا۔ اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو راکھ کرے۔ اُس نے جواب دیا "ہاں" ورنہ جس طرح دیگر لوگوں نے بیعت کر لی ہے تم لوگ بھی بیعت کر لو" (روایت اہلسنت)

(یہی واقعہ دیکھیے سنی ابوالفدا کی تاریخ المختصر فی اخبار البشر جلد ۱ صفحہ ۱۵۶)

امام اہلسنت ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ اپنی مشہور کتاب "الامامت والسیاست" مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲ پر یہ واقعہ احراقِ بیتِ بنتِ رسول امین صلعم یوں لکھتے ہیں:

"تحقیق ابوبکر نے اُن لوگوں کی خبر کی جو اُن کی بیعت سے تخلّف کر کے حضرت علیؑ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس حضرت عمر ابن خطاب کو بھیجا جبکہ وہ حضرت علیؑ کے گھر میں تھے۔ عمر آئے اور ان کو آواز دی۔ انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ تو عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ نکل آؤ ورنہ میں اس میں آگ لگا دوں گا۔ اور ان لوگوں کو جو اس میں ہیں پھونک دوں گا۔ پس کسی نے کہا اے حفصہ کے باپ (عمر) اس گھر میں تو فاطمہ ع ہیں۔ پس عمر نے کہا۔ ہوا کریں (میری بلا سے) تب وہ لوگ نکل آئے اور بیعت کر لی۔ لیکن

علیؑ نہ نکلے۔ عمر نے خیال کیا کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا چادر کندھوں پر نہ ڈالوں گا۔ پھر جناب زہراؑ دروازہ کے پاس کھڑی ہوئیں اور فرمایا "مجھے تم سے زیادہ بدتر قوم سے پالا نہیں پڑا۔ تم نے جنازۂ رسولؐ ہمارے ہاتھوں میں چھوڑا اور اپنے کام کی کتر بیونت میں لگ گئے۔ (یعنی حکومت کے حصول) ہم سے مشورہ ہی نہ لیا۔ اور ہمارا حق نہ دیا" پس عمر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کیا آپ اس شخص سے جو آپ سے پھرا ہے بیعت نہ لیں گے؟ پس ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے کہا جناب علیؑ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ پس وہ خدمت امیرؑ میں حاضر ہوا۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا۔ تمہارا کیا کام ہے۔

قنفذ:۔ (عرض کیا) آپ کو خلیفۂ رسولؐ بلاتے ہیں۔

حضرت علیؑ:۔ (جواب دیا) کس قدر جلدی تم لوگوں نے رسولِؐ خدا پر جھوٹ باندھا ہے۔

قنفذ نے واپس آکر پیغام علیؑ ابوبکر کو پہنچایا۔ اور ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ عمر نے دوبارہ کہا کہ علیؑ سے بیعت لینے میں ڈھیل نہ کرو۔ تب ابوبکر نے دوبارہ قنفذ کو کہا کہ علیؑ سے کہو کہ امیر المومنین بلاتے ہیں قنفذ دوبارہ آیا اور جو کچھ کہا گیا تھا کہہ دیا۔ حضرت علیؑ نے بلند آواز میں ارشاد فرمایا:۔ "سبحان اللہ کیسا دعویٰ ہے جس کا مطلق اُسے حق حاصل نہیں"۔ قنفذ واپس آیا اور ابوبکر تک جناب علیؑ کا پیغام پہنچایا۔ یہ سُن کر ابوبکر پھر روئے چنانچہ حضرت عمر اُٹھے اور اُن کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی۔ یہاں تک کہ دروازہ

کھٹکھٹایا۔ جب فاطمہؑ نے ان کی آوازیں سنیں تو بہت زور سے رونے لگی اور فریاد کی۔" اے باپ رسول اللہؐ ہم ابنِ خطاب (عمر) اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھوں کیا مصائب اٹھا رہے ہیں۔"

جس وقت جناب سیدہؑ کی آہ و زاری ان لوگوں نے سنی تو اُلٹے پھر گئے۔ ان کے دل درد کر رہے تھے اور جگر شق ہو رہے تھے۔ لیکن عمر ابن خطاب اور اس کے چند ساتھی ٹھہرے رہے پس انہوں نے جناب علیؑ کو نکالا اور ابوبکر کے پاس لے گئے۔ اور کہا کہ بیعت کرو۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہو گا؟ جواب دیا قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہم لوگ تمہاری گردن مار دیں گے۔ آپؑ نے فرمایا تم ایک "بندہ خدا" اور "برادرِ رسولؐ" کا خون کرو گے۔ عمر نے کہا بندۂ خدا تو خیر مگر تو رسول اللہ کا بھائی نہیں۔ ابوبکر (حاکم وقت) خاموشی سے سُنتے رہے اور کچھ نہ بولے۔ عمر نے کہا اس کے بارے میں حکم کیوں نہیں دیتے۔ پس ابوبکر نے کہا۔ جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں ہیں ان پر کسی معاملہ میں "جبر" نہیں کر سکتا۔ پس حضرت علیؑ روضۂ رسولؐ سے آ کر لپٹ گئے۔ اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔ فرمایا "میرے ماں جائے (بھائی) تحقیق اس قوم نے مجھے لاچار کر دیا ہے اور میرے قتل پر آمادہ ہیں۔"

(یہی فریاد حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے کی تھی۔ قرآن)

پس پھر عمر نے ابوبکر سے کہا کہ آؤ فاطمہؑ کی خدمت میں چلیں۔ کیونکہ تحقیق ہم نے انہیں غضبناک کیا ہے۔ پس وہ دونوں ساتھ ساتھ جناب فاطمہؑ

کے گھر پر آئے۔ اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جناب سیدہؑ نے اِن دونوں کو اجازت نہ دی۔ پس جناب علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اُن سے دونوں نے باتیں کیں۔ حضرت علیؑ ان دونوں کو جناب سیدہؑ کے پاس لائے۔ جب وہ اُن کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو جناب سیدہؑ نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ انہوں نے سلام کیا۔ جناب فاطمہؑ خاموش رہیں پس ابوبکر نے کہا "اے حبیبۂ رسولؐ ہم نے تمہارے شوہر کے بارے میں تم کو غضبناک کیا ہے"۔ جناب فاطمہ نے فرمایا "یہ کیا بات ہے کہ تیرے اہل تو تیری میراث پائیں اور ہم محمدؐ کی میراث سے محروم رہیں"۔

ابوبکر بولے واللہ قرابت رسول اللہؐ کی میری قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تم مجھے عائشہؓ سے زیادہ ہو۔ اور جس دن آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ میں مر جاتا اور آنحضرتؐ کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کا حق اور ورثہ روکتا ہوں جو رسولؐ کی طرف سے آپ کو پہنچا ہے حالانکہ میں آپ کے فضل و شرف سے واقف ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسولؐ سے سُنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ میں بھی تم سے رسولؐ کی ایک حدیث بیان کروں۔ کیا اسے پہچانو گے اور اس پر عمل کرو گے۔ ابوبکر بولے "ضرور"۔ پس جناب سیدہ فاطمہؑ نے فرمایا۔ میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ تم دونوں نے رسولؐ کو یہ فرماتے نہیں سُنا کہ "رضائے فاطمہؑ میری رضا، اور فاطمہؑ کا غصہ میرا

غصہ ہے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت رکھی اُس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔" دونوں نے اقرار کیا کہ ہم نے ایسا ہی سُنا ہے۔ تب جناب فاطمہؑ نے فرمایا "میں خدا اور اس کے فرشتوں کو گواہ کرتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور راضی نہیں کیا ہے۔ جب نبی صلعم سے ملاقات کروں گی تو "ضرور" تم دونوں کی شکایت حضورؐ سے کروں گی۔" تب ابوبکر نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے فاطمہؑ کہ آنحضرتؐ اور تم غضبناک ہو۔ یہ کہہ کر ابوبکر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کا دم گھٹنے لگا لیکن جناب سیدہ طاہرہؑ یہی کہتی گئیں۔ واللہ جو نماز میں پڑھوں گی اس میں تمہارے لئے بد دعا کرتی رہوں گی۔ پس ابوبکر روتے ہوئے نکلے۔ راوی کہتا ہے کہ پس جناب علیؑ نے بیعت نہ کی جب تک سیدہؑ کا انتقال نہ ہو گیا۔"

واقعہ قصد احراقِ خانہ بتولؑ کی تصدیق کے لئے اہلسنت حضرات کی مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مروج الذہب علامہ مسعودی صے ۱۵۹ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۹

(۲) الملل والنحل علامہ شہرستانی جلد ۱ صے ۳۵

(۳) استیعاب فی المعرفۃ الاصحاب علامہ و امام اہلسنت ابن عبد البر جلد ۱ صے ۳۴۵

(۴) تحفہ اثناء عشریہ محدث اہل سنت شاہ عبد العزیز دہلوی صے ۲۹۲

(۵) الفاروق علامہ اہلسنت مولانا شبلی نعمانی حصّہ اوّل صـ۷۱
(۶) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صـ۱۷۴
(۷) رویائے صادقہ مصنّفہ ڈپٹی نذیر احمد صـ۱۵۲

مندرجہ بالا واقعہ پر غور کرنے سے یہ ناقابلِ انکار حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ محض طلب بیعت کی خاطر آلِ رسولؐ کو اذیت پہنچائی گئی اور خانۂ رسولؐ کو نذرِ آتش کرنے کا سامان کیا گیا۔ جبکہ بقول علامہ اہل سنّت جلال الدین سیوطی "تفسیر درِ منثور"۔ یہ گھر انبیاءؑ کے گھروں سے افضل ہے اب اہلِ انصاف خود ہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ جو حکومت ایسے سنگین اقدامات کا ارتکاب کرے۔ اسے دین کی تمکین سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟

منقولہ بالا روایت ہی میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ باوجود سخت مصائب کے خلیفہ برحق نے فریضۂ دین کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے قرآن جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ اور وہ کیوں نہ کرتا۔ جب کہ وہ وارث کتاب ہے۔ اور خود قرآنِ ناطق۔ اسی لئے تو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ "قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے"۔

بی بی پاکؑ کا تقدس محتاجِ تعارف نہیں۔ جیسا کہ اُن کا ناراض ہونا بالواسطہ رسولِ خداؐ کا ناراض ہونا ہے۔ اور یہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آپؑ خلیفہ صاحب پر راضی نہ تھیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خدا بھی اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک فاطمہؑ راضی نہ ہوں۔ جب حکومت کو رضائے الٰہی نصیب نہ ہوئی تو تمکینِ دین کس طرح ممکن ہے؟ پس ثابت ہوا کہ

دَورِ حضرت ابوبکر میں تمکینِ دین کی بجائے توہینِ دین ہوئی۔ وارثانِ دین کی بے حرمتی کی گئی۔ اور مخدومۂ کونین پر اِس قدر ستم ڈھائے گئے کہ آپؑ صرف چھ ماہ بعد اپنے والد بزرگوارؐ سے جا ملیں۔ شاہِ کون و مکاں و مشکل کشائے عالم کے گلے میں رسّی باندھی گئی۔ زکواۃ کی ادائیگی کی آڑ میں کئی باعظمت و صالح اصحابِ رسولؐ کو سیاسی نشانۂ انتقام بنایا گیا اور نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ داخلی معاملات سے توجہ ہٹانے کی خاطر فتوحات کی جانب دھیان موڑ دیئے گئے۔ اور لوگوں میں جنگی لوٹ مار کی حرص پیدا کر دی گئی۔ جو بعد میں مسلمانوں کے لئے ایسا بدنما دھبّہ ثابت ہوا جسے آج تک دھویا نہیں جا سکا۔ خود فہمی و خوش عقیدت کچھ بھی کہے تاہم لوگوں نے کہہ دیا کہ اسلام بزورِ تلوار پھیلا ہے۔ پس یہ شاندار فتوحات ہمارے لئے باعثِ افتخار نہیں بلکہ بعض اوقات وجۂ ندامت بن گئی ہیں۔

اگر وسعتِ سلطنت ہی کا نام تمکینِ دین ہے تو پھر سکندرِ اعظم، چنگیز خاں، ہلاکو خاں اور ہٹلر وغیرہ کے بارے میں کیا خیالِ شریف ہوگا۔؟

وما علینا الا البلاغ المبین

خادم بتولؑ
عبدالکریم مشتاق

۱۴/۸/۱۱/۶/ج ناظم آباد۔ کراچی ۱۸